نومبر 2005ء شوال رذی القعدہ ۱۴۲۶ھ

شمارہ نمبر 18

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماھنامہ

حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

حضرو اٹک: پاکستان
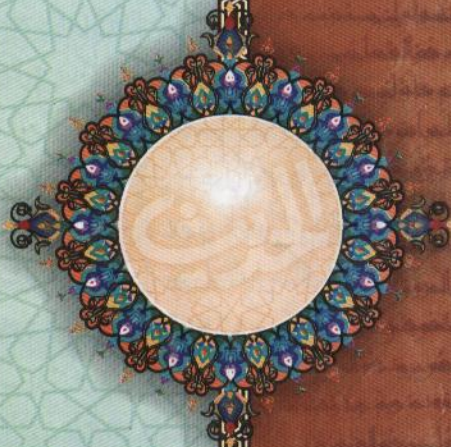
احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

بہترین نمونہ کون؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيْرًا o وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا o

(مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے جو بھی اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو اور جب مومنوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے: ''یہ تو وہی بات ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اس واقعے نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری کو مزید بڑھا دیا۔ [الاحزاب:۲۱،۲۲]

فقہ القرآن:

* لَقَدْ كَانَ لَكُمْ...... الخ اس آیت کا تعلق شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ جنگِ خندق سے ہے لیکن اپنے الفاظ کی وجہ سے عام ہے اسے کسی ایک یا خاص شعبہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مذکورہ آیت سے عام استدلال واستشہاد کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کے متعلق فرمانا کہ بے شک میں جانتا ہوں تو پتھر ہے اور اگر میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ آخر میں یہ آیت تلاوت کی ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (مفہوماً) [مسند احمد ۲۱/۱ والموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۸۱/۱ ح ۱۳۱ وإسنادہ حسن] مزید دیکھئے جامع التفسیر (۱۶۰۲/۳)

* قرآن مجید اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حجتِ شرعیہ ہیں بلکہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے اور انکارِ حدیث کفر ہے۔

* ''روشن خیالیوں'' کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو ہرا یرے غیرے نتھو خیرے کو آئیڈیل بناتے پھرتے ہیں۔

* نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آئیڈیل اور حدیث وسنن کو اپنے سینے سے صرف وہی شخص لگائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو۔

* ہم نے آیت نمبر۱۲ کے تحت منافقین کے حالات اور لشکروں کو دیکھ کر ان کی کیفیت کے متعلق لکھا تھا لیکن منافقین کے برعکس مومنین کے ایمان متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھ گئے اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے فرار کے بجائے وہ زیادہ یقین واطمینان کے ساتھ اپنا سب کچھ اسی کے حوالے کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔

* ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی۔ یہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے کہ (الایمان) یزید وینقص کہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔ (دیکھئے صحیح بخاری کتاب الایمان قبل ح ۸) امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور ائمہ کے نزدیک ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی۔ (تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبدالرزاق المہدی ۱۵۷/۵)

(٢٧) وعن عبادة بن الصامت ،قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :''من شهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمداً عبده ورسوله ،وأن عيسى عبد الله ورسوله وابن أمته وكلمته ألقاها إلى مريم ،وروح منه ،والجنة حق والنار حق؛أدخله الله الجنة على ما كان من العمل '' متفق عليه

(سیدنا) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور بے شک (سیدنا) عیسیٰ (بن مریم علیہما السلام) اللہ کے بندے اور اس کے رسول، اس کی بندی (مریم علیہا السلام) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جو اس (اللہ) نے مریم (علیہا السلام) کی طرف القاء کیا اور اس کی (پیدا کردہ) روح ہیں۔ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، تو اللہ اسے (ضرور) جنت میں داخل کرے گا۔ چاہے اس کے اعمال جیسے بھی رہے ہوں۔ (البخاری: ٣٤٣٥، مسلم: ٢٨/١٤٠)

فقه الحديث

١: معلوم ہوا کہ ارکانِ اسلام و شرائط ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کر دی گئی ہیں۔ ان سب پر ایمان لانے کے بعد ہی اللہ کے فضل سے آدمی جنت میں داخلے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جو شخص شرائط وارکان ایمان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے تو ایسا شخص جنت میں داخلے کا حقدار نہیں بلکہ اپنے کفر کی وجہ سے جہنمی ہے۔

٢: اس حدیث پاک میں یہود و نصاریٰ کا بیک وقت رد کیا گیا ہے۔ یہودی حضرات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور عیسائی حضرات انہیں اللہ کا بندہ نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ''عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔

٣: ''کلمۃ اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمے ''کُنْ'' سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ''روح منه'' کا مطلب ''اللہ کی پیدا کردہ اور پھونکی ہوئی روح ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی (کے پیدا کرنے) میں سے ہے۔ (الجاثیہ: ١٣)

جومطلب '' جميعًا منه'' میں ''منه'' کا ہے وہی مطلب ''روح منه'' میں ''منه'' کا ہے۔

۴: اس صحیح حدیث سے معتزلہ وخوارج کا رد ہوتا ہے جو کبیرہ گناہ کرنے والوں کو ابدی جہنمی سمجھتے ہیں۔

۵: مشہور جلیل القدر تابعی حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے (سب اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے) اللہ کی قسم وہ اب اللہ کے پاس زندہ ہیں جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔'' (تفسیر طبری ۶/۱۴ وسندہ صحیح) اسی پر خیر القرون کا اجماع ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہ السلام آسمانوں سے نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے کشف الأستار عن زوائد البزار (۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے الحدیث: ۲، ۳، ۴، ۶)

ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اپنی مشہور کتاب ''الابانۃ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''وأجمعت الأمة على أن الله رفع عيسى إلى السماء'' اوراس پر اُمت کا اجماع ہے کہ بے شک اللہ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(ص ۳۴ باب ذکر الاستواء علی العرش)

۶: اس حدیث میں قرآن مجید، آخرت اور دیگر ارکانِ ایمان وشرائط ایمان کا ذکر موجود نہیں ہے جب کہ دوسرے دلائل میں ان کا ذکر موجود ہے لہذا معلوم ہوا کہ اگر بعض دلائل میں کسی چیز کا ذکر موجود ہو اور دوسرے دلائل میں موجود نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

(۲۸) وعن عمرو بن العاص، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: ابسط يمينك فلأبايعك، فبسط يمينه، قال فقبضت يدي، فقال: ''مالك يا عمرو؟'' قلت: أردت أن اشترط. فقال: ''تشترط ماذا؟'' قلت: أن يغفرلي. قال: ''أعلمت يا عمرو! أن الإسلام يهدم ماكان قبله، وأن الهجرة تهدم ماكان قبلها، وأن الحج يهدم ماكان قبله!'' ۔رواه مسلم (۱۹۲/۱۲۱)

والحديثان المرويان عن أبي هريرة، قال: ''قال الله تعالىٰ: أنا أغنى الشركاء عن الشرك'' والآخر: ''الكبرياء ردائي'' سنذكرهما في باب الرياء والكبر إن شاء الله تعالىٰ۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہا: آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا۔ پس میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے پوچھا: اے عمرو! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ میں نے کہا: ایک شرط کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم کیا شرط کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ کہ میری مغفرت (بخشش) ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو کیا تجھے پتہ نہیں کہ اسلام (قبول کرنا) سابقہ (سب گناہ) ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اپنے گذشتہ (سب گناہ) ختم کر دیتی ہے اور حج اپنے اگلے (سب گناہ) ختم کر دیتا ہے۔ (مسلم: ۱۹۲/۱۲۱ بطولہ)

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے دو حدیثیں مروی ہیں (۱) **قال الله تعالىٰ: أنا أغنى الشركاء عن الشرك** (۲) **الكبرياء ردائي**، انہیں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ باب الریاء والکبر میں ذکر کریں گے۔ (ح ۵۳۱۵، ۵۱۱۰)

فقه الحديث

ا: ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی اور آپ کی وفات کے بعد اولوالامر (امراء) کی بیعت دائیں ہاتھ سے کی جاتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ترون كفي هذه، فأشهد أني وضعتها على كف محمد صلى الله عليه وسلم'' تم میری یہ ہتھیلی دیکھتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر (بیعت کے لئے) رکھا تھا۔ (مسند احمد ۱۸۹/۴ ح ۱۷۸۴۲ وسندہ صحیح، وأخطأ من أعله، وأورده الضیاء فی المختارہ ۵۹/۹)

لہذا صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ جائز و مشروع بلکہ افضل ہے۔ دیوبندیوں کے ایک بڑے عالم محمود حسن گنگوہی صاحب ایک شخص کے استفسار پر مصافحہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ''ایک ہاتھ سے بھی صحیح ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی، دونوں قول کوکب الدری ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہیں'' (ملفوظات فقیہ الامت ج ۷ ص ۲۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ ''وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه'' اور حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا (کتاب الاستئذان باب الاخذ بالیدین قبل ح: ۶۲۶۵)

لہذا اگر کوئی شخص دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتا ہے تو بھی جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ عام مرفوع احادیث سے استنباط کرتے ہوئے صرف ایک (دائیں) ہاتھ سے ہی مصافحہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

فائدہ: ثابت البنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: '' كنا إذا أتينا أنس بن مالك،فإذا رآنا دعا بدهن طيب ،فيمسح به يديه ليصافح به إخوانه '' ہم جب (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے پاس آتے، جب وہ ہمیں دیکھتے تو خوشبودار تیل منگواتے پھر اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر ملتے تاکہ اس (خوشبودار تیل) کے ساتھ اپنے بھائیوں سے مصافحہ کریں (کتاب الزہد لابی حاتم الرازی ص ۷۶ وسندہ صحیح) اسی روایت کی دوسری سند میں ثابت البنانی رحمہ اللہ سے آیا ہے کہ: ''ان انساً كان إذا أصبح دهن يده بدهن طيب لمصافحة إخوانه '' بے شک جب صبح ہوئی تو (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ پر خوشبودار تیل لگاتے تاکہ اپنے بھائیوں سے مصافحہ کریں (الادب المفرد للبخاری: ۱۰۱۲ وسندہ حسن)

اس مسئلے میں تشدد کرنا صحیح نہیں ہے۔ جس کی جو تحقیق ہے وہ اس پر عمل کرلے، ان شاء اللہ عنداللہ ماجور ہوگا۔

۲: اگر کوئی (دارالحرب والا) کافر سچے دل سے مسلمان ہوجائے تو اس کے اگلے (سابقہ) سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ حج اور ہجرت سے سارے صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے توبہ اور حق دار تک اس کا حق لوٹانا ضروری ہے۔

۳: سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست کہ ان کی مغفرت ہوجائے، ان کی فضیلت کی زبردست دلیل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ابنا العاص مومنان عمرو وهشام'' عاص کے دونوں بیٹے: عمرو (بن العاص) اور ہشام (بن العاص رضی اللہ عنہما) مومن ہیں۔ (مسند احمد: ۳۰۴/۲ ح ۸۰۲۹ وسندہ حسن)

مصنف: امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ

ترجمہ وفوائد: حافظ ندیم ظہیر

فضائل اعمال

اکیلے معبود (برحق) کے لئے سجدوں کی فضیلت:

60 معدان بن ابی طلحہ الیعمری کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے ملا میں نے کہا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں وہ عمل کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے (اس عمل کی وجہ سے) جنت میں داخل کردے یا میں نے کہا: اللہ عزوجل کے پسندیدہ اعمال کے بارے میں بتایئے تو (ثوبان) خاموش ہوگئے میں نے ان سے پھر سوال کیا تو (ثوبان) خاموش رہے۔ پھر میں نے ان سے تیسری دفعہ پوچھا تو (ثوبان) نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کثرت کے ساتھ سجدے (نوافل ادا) کیا کرو۔ بلاشبہ تم جو بھی سجدہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کردے گا اور ایک گناہ معاف فرمادے گا۔ معدان نے کہا: پھر میری ملاقات سیدنا ابودرداء سے ہوئی، ان سے بھی (یہی) سوال کیا، انہوں نے مجھے وہی جواب دیا جو سیدنا ثوبان نے دیا تھا۔ [صحیح مسلم: ۴۸۸]

فوائد:

کثرتِ سجود سے مراد نفلی نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرے جیسا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((وما یزال عبدي یتقرب إلي بالنوافل حتی أحبه)) میرا بندہ نوافل ادا کرنے کی وجہ سے میرے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں [صحیح بخاری: ۶۵۰۲] مذکورہ حدیث سے یہ مفہوم قطعاً اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ خشوع وخضوع اور خلوص کے بغیر ہی سجدے پہ سجدہ کرتے چلے جائیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں کثرتِ نوافل کی ترغیب دی ہے وہاں خشوع وخضوع کا التزام بھی ضروری قرار دیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''یہ حدیث دلیل ہے کہ زیادہ سجدے لمبے قیام سے افضل ہیں اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ پس ایک جماعت (مذکورہ) حدیث کے ظاہر سے (دلیل لیتے ہوئے زیادہ سجدوں کو افضل) جبکہ دوسری جماعت لمبے قیام کو افضل سمجھتی ہے۔ اور ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ((أفضل الصلاۃ طول القنوت)) [مسلم: ۷۵۶] ہے اور قنوت سے مراد قیام ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ (البقرہ: ۲۳۸) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے صحیح ثابت ہے کہ آپ رات کا لمبا قیام فرماتے اور اسی پر اپنی وفات تک مداومت اختیار کی [المفھم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ۹۲/۲، ۹۳]

ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سجدے میں) کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے منع کیا ہے۔

[ابوداود:۸۶۲ حسن]

ان سارے دلائل سے معلوم ہوا کہ کثرتِ نوافل کی ترغیب بجا ہے لیکن خشوع وخضوع اور اطمینان کا دامن نہ چھوٹنے پائے (واللہ اعلم)

61 سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جو بندہ اللہ کے لئے سجدہ کرے گا تو اللہ اس کے لئے ایک نیکی لکھے گا اور اس کی ایک برائی (گناہ) مٹا دے گا اور اس کا درجہ بلند کرے گا پس خوب سجدے کیا کرو۔

[سنن ابن ماجہ:۱۴۲۴ وحلیۃ الاولیاء ۱۳۰/۵ ولہ شاہد فی صحیح مسلم:۴۸۸]

اس حدیث میں بھی ''خوب سجدے کیا کرو'' سے مراد نفلی نماز ہے کہ جتنی زیادہ نفلی نماز ادا کی جائے گی اتنے ہی اس میں سجدے زیادہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف ایک سجدے سے نیکیوں میں اضافہ، گناہوں میں کمی اور درجات میں بلندی ہو جاتی ہے تو جب آدمی زیادہ سجدے کرنے والا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا قرب کس قدر زیادہ ہوگا؟

ع　وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

62 سیدنا ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں (اکثر) رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ان کی خدمت کے لئے) رہا کرتا تھا۔ میں آپ کے پاس وضو کا پانی اور دوسری ضرورت کی چیزیں لایا کرتا تھا (ایک دفعہ) آپ نے مجھ سے فرمایا: مانگو تو میں نے عرض کیا: جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ اور؟ میں نے کہا: بس یہی ہے! تو آپ نے فرمایا: کثرت سجود سے تو میری مدد کر۔ [صحیح مسلم:۴۸۹]

فوائد:

(۱) خدمتگار سے محبت وشفقت سے پیش آنا اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
(۲) کسی کے اچھے امور سے خوش ہو کر بطور انعام کچھ عنایت کرنا جائز ہے۔
(۳) اہل ایمان ہمیشہ دنیا کے عارضی فوائد اور عیش وعشرت پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔
(۴) روز جزا نیک لوگوں کی معیت ایمان وعقیدہ توحید اور اعمال صالحہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

63 سیدنا ابو فاطمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس پر میں استقامت اختیار کروں اور اسے ادا کرتا رہوں آپ نے فرمایا: سجدوں کو اپنے آپ پر لازم کر لے کیونکہ تو جب اللہ کے لئے سجدہ کرے گا تو اللہ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور اسی سجدہ کی وجہ سے تیرا ایک گناہ مٹا دے گا۔

[ابن ماجہ: ۱۴۲۲ صحیح]

قیام رمضان کی فضیلت:

64 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایمان اور اخلاص کے ساتھ رمضان کا قیام کیا تو اس کے سابقہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور (مزید) فرمایا: کہ جس نے قدر کی رات کو ایمان کی حالت اور ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے بھی سابقہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں [بخاری: ۲۰۰۹، ۲۰۱۴، مسلم: ۷۵۹، ۷۶۰]

فوائد:

رمضان کے مہینے میں ''قیام اللیل'' بہت زیادہ فضیلت کا حامل ہے بالخصوص لیلۃ القدر کا قیام جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے [القدر: ۳] اے اللہ ہماری تمام تر کوتاہیاں اور سستیاں دور کر کے ہمیں ان کے ثمرات حاصل کرنے کی توفیق دے (آمین)

باجماعت قیام رمضان کی فضیلت:

65 سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ آپ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ سات (راتیں) باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام کیا۔ جب چھٹی رات تھی تو آپ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (پھر) پانچویں رات کو ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کاش! آپ ہمارے ساتھ بقیہ رات بھی قیام فرماتے تو آپ نے ارشاد فرمایا: یقیناً جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو (بقیہ رات بھی ثواب کے لحاظ سے) قیام ہی میں شمار کی جاتی ہے (ابو ذر) کہتے ہیں: آپ نے چوتھی رات کو قیام نہیں کیا۔ جب تیسری رات تھی تو آپ نے اپنے اہل وعیال، اپنی عورتوں اور لوگوں کو اکٹھا کر کے ہمارے ساتھ (لمبا) قیام کیا حتی کہ ہمیں فلاح کے چھوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہوا (ابو ذر) کہتے ہیں میں نے کہا: فلاح کیا ہے؟ تو آپ نے کہا: سحری پھر بقیہ مہینہ آپ نے قیام نہیں کیا۔

[ابوداؤد: ۱۳۷۵، ترمذی: ۸۰۶ نسائی: ۱۳۶۵، ابن ماجہ: ۱۳۲۷ و اسنادہ صحیح]

فوائد:

یہ حدیث ان لوگوں کی تردید کے لئے کافی ہے جو باجماعت قیام رمضان کو یا پورا ماہ رمضان امام کے ساتھ قیام کرنے کو بدعت گردانتے ہیں بلکہ مذکورہ حدیث میں تو باجماعت قیام اللیل (تراویح) کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو (بقیہ رات بھی ثواب کے لحاظ سے) قیام ہی میں شمار کی جاتی ہے'' سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام کے ساتھ قیام اللیل (تراویح) افضل ہے۔ (واللہ اعلم)

محترم جناب حافظ زبیر علی زئی صاحب

السلام علیکم:۔

اللہ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے اور میری دعا ہے کہ اللہ آپ سے دین حق اور دین اسلام کا زیادہ سے زیادہ کام لے اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔ محترم مجھے کچھ مسائل درپیش ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے ان کا حل بتا دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

1) میرے بھائی کو کچھ عرصہ پہلے Medical rap کی نوکری ملی ہے۔ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ مجھے ایک ڈاکٹر نے کہا کہ میں اگر تمھاری دوائیاں فروخت کروں تو مجھے کیا فائدہ ہوگا، بھائی نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ چاہیں، اس قسم کی بحث کے بعد آخر کار ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے ایک عدد موبائل کارڈ لادیں۔ آپ کی دوائیاں (Medicine) کل تک فروخت ہو جائیں گی۔ 300 والا کارڈ لادیا اور بعد میں کمپنی سے اپنے پیسے وصول کر لیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ رشوت میں آئے گا یا نہیں اگر یہ رشوت ہے تو ان حالات میں میں کیا کروں کیونکہ میں گھر میں اکیلا اہل حدیث ہوں۔ اور میرے منع کرنے سے جھگڑا ہو سکتا ہے۔ (قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں)

2) میرا کزن بینک کی نوکری کرتا ہے۔ اگر میں اُس کے گھر جاؤں تو کچھ کھا سکتا ہوں یا نہیں یا اُس کی دعوت قبول کر سکتا ہوں۔ اُس کے والد ملک سے باہر کام کرتے ہیں اور مجھے اُن کی کمائی پر کوئی شک نہیں۔ اور کیا بینک کی تمام نوکریاں حرام ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

3) کیا بے نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی اور سالن کھا سکتے ہیں۔ میری والدہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی نہیں۔ حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

4) کیا میں دینی پروگرام میں جا سکتا ہوں جبکہ میرے ابوان سے منع کرتے ہیں اور مجھ سے ناراض ہوتے ہیں اور گھر میں اس وجہ سے جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ میں کوئی پروگرام چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ ان حالات میں میں کیا کروں۔

مجھے آپ کی طرف سے نصیحت بھی مطلوب ہے کیونکہ میرے گھر کے حالات میرے اہل حدیث ہونے کی وجہ سے سخت ہیں اور کبھی کسی بات سے بہت خراب ہو جاتے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ سے دعا کی درخواست ہے۔ شکریہ [ایک سائل]

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

أما بعد : آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر کے لیے تین سو روپے والا کارڈ

یہ رشوت کے حکم میں آتا ہے۔آپ صبر کریں اور جب موقع ملے بڑے اچھے طریقے ،ادب اور پیار سے اپنے بھائی کو سمجھا دیں۔اگر وہ ناراض ہوں تو بحث نہ کریں۔ادب واحترام اور محبت سے اُن سے تعلقات قائم رکھیں۔قطع رحمی سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔

۲۔ بینک کی نوکری سُودی کاروبار کی وجہ سے ناجائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنے کزن سے بائیکاٹ کردیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ''میرا ایک پڑوسی ہے جس کا مال میرے خیال میں خبیث یا حرام ہی ہے۔وہ مجھے کبھی کبھار (کھانے کی) دعوت دے دیتا ہے۔اگر میں نہ جاؤں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ائتہ أو أجبہ فإنما وزرہ علیہ '' جا کر دعوت قبول کرلیا کرو،اس کا گناہ صرف اُسی پر ہے (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۵ ص۳۳۵ وسندہ حسن)

تنبیہ(۱): دعوت دینے والا اگر کسی خاص کھانے کے بارے میں کہے کہ یہ سود یا حرام سے تیار شدہ ہے تو یہ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔جب آپ کو معلوم ہوا کہ دعوت کا گوشت چوری کا ہے تو آپ نے وہ قیدیوں کو کھلانے کا حکم دیا،یعنی خود نہیں کھایا۔دیکھئے سنن ابی داود (۳۳۳۲ وسندہ صحیح)

تنبیہ(۲): جو شخص سودی اور حرام کاروبار کرتا ہے اسے مناسب موقع ومحل پر نصیحت کرنا،قرآن وحدیث سنانا اور اس کاروبار سے توبہ کرانے کی کوشش کرنا انتہائی مستحسن کام ہے۔صحیح حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بُرائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے (تبدیل کرنے کی) طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے (دیکھئے صحیح مسلم :۴۹ وترقیم دارالسلام :۱۷۷)

بس یہ یاد رکھیں کہ صلہ رحمی اور رشتہ داری ٹوٹ نہ جائے۔

تنبیہ(۳): اگر گناہ گار آدمی کی دعوت قبول نہ کرنے میں یہ امکان ہے کہ وہ توبہ کرکے گناہ چھوڑ دے گا تو پھر دعوت رد بھی کی جاسکتی ہے۔

۳۔ نماز کا ترک کردینا کفر ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بے نمازی کا پکا ہوا کھانا حرام ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودیہ عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۱۷،۴۴۲۸) وصحیح مسلم (۲۱۹۰) وسنن ابی داود (۴۵۰۸،۴۵۱۱)

آپ اپنی والدہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی اور سالن بغیر کسی شک وشبہ کے کھا سکتے ہیں۔اگر والدین مشرک بھی ہوں

تب بھی دنیا میں اچھے طریقے سے اُن کی مصاحبت اختیار کرنی چاہیے۔ دیکھئے سورۃ لقمان، آیت:۱۴، ۱۵
آپ اپنی والدہ کی خوب خدمت کریں۔ معروف (نیکی) میں پوری پوری اطاعت کریں۔ ان کا دل دُکھانے کی کبھی جسارت نہ کریں۔ انتہائی پیار ومحبت اور ادب کے ساتھ انہیں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے رہیں اور اللہ سے رو رو کر دعا کریں کہ وہ انہیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔ دینی اُمور کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو فرض وواجب ہے مثلاً نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا وغیرہ ان امور میں اگر والدین یا حاکم یا جو کوئی شخص منع کرے تو اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''**لا طاعة في معصية**'' (اللہ کی) نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے (صحیح بخاری: ۷۲۵۷ و صحیح مسلم: ۱۸۴۰)

دوم: جن دینی اُمور میں جانا جائز و مستحب ہے مثلاً تبلیغی جلسے اور پروگرام وغیرہ، اگر ان سے والدین منع کریں تو ان کی اطاعت کریں اور ان جلسوں و پروگراموں میں نہ جائیں۔ یاد رہے کہ والدین کی اطاعت بھی فرض ہے الا یہ کہ وہ قرآن وحدیث کی مخالفت کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ آپ اپنے والدین کو ناراض نہ کریں اور نہ گھر میں جھگڑا کرنے کی کوشش کریں رہا پروگرام تو کسی دوست سے اس کی کیسٹ کروالیں اور بعد میں مناسب موقع پر سُن لیں۔ اگر آپ کسی پروگرام یا دینی کام میں شامل نہ ہوں اور اس کا نقصان وضرر زیادہ ہو تو پھر اجتہاد کرکے ان کاموں میں شامل ہو جائیں اور ہر ممکن طریقے سے والدین کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ واللہ اعلم

وما علینا إلا البلاغ

(۱۳ رجب ۱۴۲۶ھ)

امام فضیل بن عیاض اور یا عابد الحرمین!

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو میدانِ جہاد سے ایک خط لکھا تھا جس میں درج ذیل شعر لکھا تھا کہ:

''یا عابد الحرمین لو أبصرتنا لعلمت أنك فی العبادة تلعب''

اے حرم مکہ اور حرم مدینہ میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے، اگر کبھی تو ہمارا حال دیکھ لے تو تجھے معلوم ہو جائے کہ تیری عبادت تو محض کھیل ہے...... إلخ

اس واقعے کو جناب ابونعمان سیف اللہ قصوری صاحب نے اپنی کتاب ''زاد المجاہد'' میں بحوالہ طبقات الشافعیہ لابن السبکی (۱/۲۸۷) وسیر اعلام النبلاء (۸/۴۱۲) والنجوم الزاہرہ (۲/۱۰۳) وآثار البلاد للقزوینی (۷/۴۵۷) نقل کیا ہے دیکھئے زاد المجاہد (ص ۱۱۰، ۱۱۱)

اس واقعے کی تحقیق کرکے ''الحدیث'' میں شائع فرمادیں، جزاکم اللہ خیراً [تنویر حسین شاہ ہزاروی]

الجواب: سیر اعلام النبلاء میں یہ واقعہ بے سند مذکور ہے۔ اگر کوئی واقعہ بغیر سند کے آثار البلاد، النجوم الزاہرہ اور

سیر اعلام النبلاء وغیرہ ہزاروں کتابوں میں مذکور ہو تو علمی دنیا میں بے فائدہ ہے۔
تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۰۷/۳۴) وطبقات الشافعیہ (نسختنا ۱۵۰/۱، ۱۵۱) میں یہ قصہ ابو المفضل محمد بن عبداللہ الشیبانی عن أبی محمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحیی القاضی عن محمد بن إبراہیم بن أبي سکینۃ (الحلبی) کی سند سے لکھا ہوا ہے۔ ابو المفضل الشیبانی کے حالات لسان المیزان (۲۳۱/۵۔۲۳۲) ومیزان الاعتدال (۶۰۷/۳) وغیرہما میں مذکور ہیں۔ اس کے شاگرد امام ابو القاسم الازہری فرماتے ہیں کہ:
''کان أبو المفضل دجالاً کذاباً'' ابو المفضل دجال کذاب تھا۔ (تاریخ بغداد ۴۶۷/۵ ت ۳۰۱۰ وسندہ صحیح)
ابو محمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحییٰ القاضی مفقود الخبر ہے، اس کی تلاش جاری ہے۔ جس شخص کو اس کے حالات مل جائیں، وہ الحدیث حضرو کے پتہ پر اطلاع بھیج دے۔ شکریہ!
خلاصۃ التحقیق: یہ سند موضوع و بے اصل ہے۔ لہذا اس قصے کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دریائے نیل

سوال: کیا یہ واقعہ صحیح ہے کہ دریائے نیل نے جب بہنا بند کر دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف خط لکھا تھا۔ جب دریائے نیل میں آپ کا خط ڈالا گیا تو دریا کا پانی دوبارہ جاری ہو گیا۔ [ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی، کراچی]

الجواب: یہ واقعہ ''ابن لہیعہ عن قیس بن حجاج عمن حدثہ'' کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔
فتوح مصر لابن عبدالحکم (ص ۱۵۰، ۱۵۱) کتاب العظمۃ لأبی الشیخ (۱۴۲۴/۴، ۱۴۲۵ ح ۹۳۷) شرح اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی (۱۰۴/۲ح ۶۶ کرامات) وکرامات أولیاء اللہ (۶۶) [وتفسیر ابن کثیر (۴۶۴/۳، السجدۃ:۲۷)
ومسند الفاروق (۲۲۳/۱، ۲۲۴) البدایہ والنہایہ (۲۳/۱)]
اس سند میں عبداللہ بن لہیعہ مدلس راوی ہے (طبقات المدلسین ۱۴۰/۵) اور روایت معنعن ہے۔ قیس بن الحجاج تبع تابعی ہے۔ اس کے استاد کا نام معلوم نہیں ہے لہذا یہ سند ظلمات (میں سے) ہے۔

خلاصۃ القصۃ:

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو لوگوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ ہمارا (دریائے) نیل اس سال صرف اسی وقت پانی سے چلے گا جب اس مہینے کی گیارہویں رات کو ایک لڑکی اس میں پھینکی جائے گی۔ تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو امیر المؤمنین نے جواب میں ایک رقعہ بھیجا جس پر لکھا ہوا تھا کہ:
''اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کی طرف! اگر تو خود بخود بہتا تھا تو نہ بہہ اور اگر تجھے بہانے والا اللہ ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے چلا دے۔''
جب رقعہ دریا میں ڈالا گیا تو وہ دس ہاتھ بلند ہو کر بہنے لگا۔
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف و مردود ہے لہذا یہ سارا قصہ بے بنیاد و باطل ہے۔ (۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ)

تعلیم و تدریس پر اجرت کا جواز

جناب ضیاء الحق صاحب، نیوٹاؤن راولپنڈی کے نام

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے کسی نامعلوم ومجہول شخص کا لکھا ہوا پمفلٹ '' دینداری یا دکانداری'' بھیجا ہے جس کے بتیس (۳۲) صفحات ہیں۔

اس پمفلٹ کے مفصل جواب کے لئے محترم مولانا ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ کی کتاب '' دینی امور پر اجرت کا جواز''، منگوا کر پڑھ لیں۔

کتاب کے کل صفحات: ۸۰

مطبوعہ: مکتبہ دارالرحمانیہ، جامع مسجد رحمانیہ، نزد بوہرہ پیر، کراچی

مختصراً عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إن أحق ماأخذتم علیه أجراً کتاب الله**''، تم جس پر اُجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۷۳۷)

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الإجارہ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی أحیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، قبل ح ۲۲۷۶ میں بھی لائے ہیں۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: ''**واستدل به للجمهور في جواز أخذ الأجرة علی تعلیم القرآن**'' اور اس سے جمہور کے لئے دلیل لی گئی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۵۳) اب چند آثار پیشِ خدمت ہیں۔

۱: حکم بن عتیبہ (تابعی صغیر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''**ماسمعت فقیهاً یکرهه**'' میں نے کسی فقیہ کو بھی اسے (اجرتِ معلم کو) مکروہ (کراہت تحریمی) قرار دیتے ہوئے نہیں سنا (مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۵ وسندہ صحیح)

۲: معاویہ بن قرہ (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**إني لأرجو أن یکون له في ذلك خیر**''

مجھے یہ امید ہے کہ اس کے لئے اس میں اجر ہوگا (مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۴ وسندہ صحیح)

۳: ابو قلابہ (تابعی) رحمہ اللہ تعلیم دینے والے معلم کی اجرت (تنخواہ) میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۲۰ ح ۲۰۸۲۴ وسندہ صحیح)

۴: طاؤس (تابعی) رحمہ اللہ بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ایضاً، ح: ۲۰۸۲۵ وسندہ صحیح)

۵: محمد بن سیرین (تابعی) رحمہ اللہ کے قول سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۲۲۳ ح ۲۰۸۳۵ وسندہ صحیح)

۶: ابراہیم نخعی (تابعی صغیر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: '' **کانوا یکرهون أجر المعلم**'' وہ (اگلے لوگ، سلف صالحین) معلم کی اجرت کو مکروہ (کراہتِ تنزیہی) سمجھتے تھے۔ (مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۶ وسندہ قوی)

اس پر استدراک کرتے ہوئے امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ، امام ابوالشعثاء جابر بن زید (تابعی) رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: بہتر وافضل یہی ہے کہ تعلیم وتدریس کی اجرت نہ لی جائے تاہم اگر کوئی شخص اجرت لے لیتا ہے تو جائز ہے۔

تنبیہ(۱): سب آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول ''یکرھون'' میں کراہت سے کراہتِ تنزیہی مراد ہے اور حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ کے قول ''یکرھه'' میں کراہتِ تحریمی مراد ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ(۲): بعض آثار صحیح بخاری (قبل ح ۲۲۷۶) میں بعض اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں۔ اجرت تعلیم القرآن کا انکار کرنے والے بعض الناس جن آیات و روایات سے استدلال کرتے ہیں ان کا تعلق دو امور سے ہے۔

۱: اجرتِ تبلیغ (یعنی جو تبلیغ فرض ہے اس پر اجرت لینا)

﴿ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ اور ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ وغیرہ آیات کا یہی مفہوم ہے۔ نیز دیکھئے ''دینی امور پر اجرت کا جواز'' ص ۶۷

۲: قرأت قرآن پر اجرت (یعنی نماز تراویح میں قرآن سنا کر اس کی اجرت لینا) حدیث ''اقرؤا القرآن ولا تأکلوا به'' وغیرہ کا یہی مطلب و مفہوم ہے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۴۰۰ باب فی الرجل یقوم بالناس فی رمضان فیعطی، ح ۷۷۴۲) وما علینا إلا البلاغ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب الوحی ہونا

سوال: کیا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا کاتب الوحی ہونا ثابت ہے؟ صحیح حدیث سے جواب دیں۔
[فضل اکبر کاشمیری]

الجواب: امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''أخبرناه أبو عبدالله الحافظ: حدثنا علي بن حمشاذ: حدثنا هشام بن علي: حدثنا موسی بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة عن أبی حمزة قال: سمعت ابن عباس قال: كنت ألعب مع الغلمان فإذا رسول الله ﷺ قد جاء فقلت: ماجاء إلا إلي فاختبات علی بابٍ فجاء فحطأ ني حطأة فقال: اذهب فادع لي معاوية، وكان يكتب الوحی'' إلخ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۳)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ابوحمزہ القصاب عمران بن ابی عطاء الاسدی صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ (دیکھئے میری کتاب نور العینین طبع جدید ص ۱۴۸)

اس روایت ''وکان یکتب الوحی'' اور آپ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) وحی لکھتے تھے، سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبِ وحی ہونا ثابت ہے۔ والحمد للہ

تنبیہ: ابوحمزہ عن ابن عباس والی یہ روایت مختصراً صحیح مسلم (۲۶۰۴ و ترقیم دارالسلام: ۶۶۲۸) میں بھی موجود ہے۔

(۵ شعبان ۱۴۲۶ھ)

حافظ زبیر علی زئی

سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث

دس صحابہ کرام کے مجمع میں سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان فرمائی تھی، سب سے پہلے سنن ابی داود سے اس کا متن مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ بعد میں اس کی تحقیق، راویوں کا دفاع اور رد کرنے والوں کے شبہات وخیانتوں کا جواب ہوگا۔

امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حدثنا أحمدبن حنبل :حدثنا أبو عاصم الضحاك بن مخلد ح وحدثنا مسدّد :حدثنا يحي ـ وهذا حديث أحمد ـ قال :أخبرنا عبدالحميد يعني ابن جعفر :أخبرني محمد بن عمرو بن عطاء قال :سمعت أبا حميد الساعدي في عشرة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم أبو قتادة ، قال أبو حميد :أنا أعلمكم بصلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم ،قالوا :فلم؟ فوالله ! ماكنت بأكثرنا له تبعة ولاأقدمناله صحبة ،قال بلىٰ، قالوا :فاعرض ،قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاقام إلى الصلوة يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ،ثم كبر حتى يقرّ كلّ عظم في موضعه معتدلاً ،ثم يقرأ،ثم يكبر فيرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ، ثم يركع ويضع راحتيه على ركبتيه ،ثم يعتدل فلا يصب رأسه ولايقنع ، ثم يرفع رأسه فيقول :سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، ثم يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه معتدلاً ،ثم يقول :اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، ثمّ يهوى إلى الأرض فيجافي يديه عن جنبيه ، ثم يرفع رأسه ويثني رجله اليسرى فيقعد عليها، ويفتح أصابع رجليه إذا سجد ، ثم يسجد ،ثم يقول :الله أكبر ويرفع رأسه ويثني رجله اليسرى فيقعد عليها حتى يرجع كل عظم إلى موضعه ،ثم يصنع في الأخرى مثل ذلك ، ثم إذا قام من الركعتين كبر ورفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه كما كبر عند افتتاح الصلوة ،ثم يصنع ذلك في بقية صلاته حتى إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخّررجله اليسرى وقعد متوركاً على شقه الأيسر ، قالوا :صدقت، هكذا كان يصلي ﷺ'' (سنن أبی داود، کتاب الصلوۃ باب افتتاح الصلوۃ ح ۷۳۰ وسندہ صحیح)

(سیدنا) ابوحمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) نے دس صحابہ کرام، جن میں (سیدنا) ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، کے مجمع میں فرمایا: میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، انہوں نے کہا: کیسے؟ اللہ کی قسم! آپ نے نہ تو ہم سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے اور نہ ہم سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے

تھے۔انہوں (سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ) نے کہا: جی ہاں، صحابیوں نے کہا: تو پیش کرو، (سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ نے) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اُٹھاتے (یعنی رفع یدین کرتے) پھر تکبیر (اللہ اکبر) کہتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ اعتدال سے ٹھہر جاتی۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرأت کرتے، پھر تکبیر کہتے تو کندھوں تک رفع یدین کرتے، پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے۔ پھر (پیٹھ سیدھی کرنے میں) اعتدال کرتے، نہ تو سر زیادہ جھکاتے اور نہ اُٹھائے رکھتے (یعنی آپ کا سر مبارک اور پیٹھ ایک سیدھ میں برابر ہوتے تھے) پھر سر اٹھاتے تو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے، پھر کندھوں تک اعتدال سے رفع یدین کرتے، پھر اللہ اکبر کہتے۔ پھر زمین کی طرف جھکتے۔ (سجدے میں) اپنے دونوں بازو اپنے پہلوؤں سے دُور رکھتے۔ پھر آپ سر اُٹھاتے اور بایاں پاؤں دُھرا کر کے (بچھا کر) اس پر بیٹھ جاتے۔ آپ سجدے میں اپنی انگلیاں کھلی رکھتے تھے۔

پھر آپ سجدہ کرتے، پھر اللہ اکبر کہتے اور سجدے سے سر اُٹھاتے، آپ بایاں پاؤں دھرا کر کے اس پر بیٹھ جاتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جاتی۔

پھر دوسری رکعت میں (بھی) اسی طرح کرتے۔ پھر جب آپ دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں تک رفع یدین کرتے، جیسا کہ آپ نے شروع نماز میں رفع یدین کیا تھا۔ پھر باقی نماز بھی اسی طرح پڑھتے حتی کہ جب آپ کا (آخری) سجدہ ہوتا جس میں سلام پھیرا جاتا ہے تو آپ تورک کرتے ہوئے، بایاں پاؤں (دائیں طرف) پیچھے کرتے ہوئے، بائیں پہلو پر بیٹھ جاتے تھے۔

(سارے) صحابہ نے کہا: ''صدقت ،هكذا كان يصلي صلى الله عليه وسلم''

آپ نے سچ کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اب تفصیلی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

نور البصر فی توثیق عبدالحمید بن جعفر

مشہور راوی حدیث عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ بن الحکم بن رافع الانصاری سے روایت ہے کہ: ''أخبرني محمد بن عمرو بن عطاء قال: سمعت أبا حميد الساعدي في عشرة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم أبو قتادة ...'' إلخ

مجھے محمد بن عمرو بن عطاء (القرشی العامری المدنی) نے حدیث سنائی، کہا: میں نے (سیدنا) ابوحمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) کو (سیدنا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کرام میں بشمول (سیدنا) ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہوئے سنا...... إلخ

مفہوم: اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

کرتے تھے (سنن أبي داود: ۷۳۰ وسندہ صحیح، الترمذی: ۳۰۴ وقال: ''حسن صحیح'' ابن خزیمۃ: ۵۸۷، ۵۸۸ ابن حبان، الإحسان: ۱۸۶۴ وصححہ البخاري في جزء رفع الیدین: ۱۰۲، وابن تیمیۃ فی الفتاوی الکبری ۱/۱۰۵ ومجموع فتاوی ۲۲/۴۵۳ وابن القیم فی تھذیب سنن أبي داود ۲/۴۱۶ والخطابي فی معالم السنن ۱/۱۹۴)

اس حدیث کو درج ذیل علماء نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) الترمذی (۲) ابن خزیمہ (۳) ابن حبان (۴) البخاری (۵) ابن تیمیہ (۶) ابن القیم (۷) الخطابی رحمہم اللہ اجمعین

اس حدیث کے راویوں کا مختصر و جامع تعارف درج ذیل ہے۔

1. عبدالحمید بن جعفر رحمہ اللہ =

۱۔ یحیی بن معین نے کہا: ثقۃ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۲۶۳، ۶۱۰)

۲۔ احمد بن حنبل نے کہا: ثقۃ لیس بہ بأس (تہذیب الکمال ۱۱/۴۱ وکتاب الجرح والتعدیل ۶/۱۰ وسندہ صحیح)

۳۔ ابن سعد نے کہا: وکان ثقۃ کثیر الحدیث (الطبقات الکبریٰ ج ۱۰ ص ۴۰۰ وتہذیب الکمال ۱۱/۴۲)

۴۔ ساجی نے کہا: ثقۃ صدوق (تہذیب التہذیب ۶/۱۱۲)

۵۔ یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: ثقۃ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۴۵۸)

۶۔ ابن شاہین نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا (ص ۱۵۹، فقرہ: ۹۱۰)

۷۔ علی بن المدینی نے کہا: وکان عندنا ثقۃ ...إلخ (سوالات محمد بن عثمان بن أبي شیبہ: ۱۰۵)

۸۔ ان کے علاوہ مسلم بن الحجاج (صحیح مسلم: ۵۳۳/۲۵ ...إلخ)

۹۔ ترمذی، ۱۰۔ ابن خزیمہ اور ۱۱۔ بخاری نے عبدالحمید بن جعفر کی حدیث کو صحیح قرار دے کر اُس کی توثیق کی۔

۱۲۔ ذہبی نے کہا: الإمام المحدث الثقۃ۔ (سیر أعلام النبلاء ۷/۲۰، ۲۱)

۱۳۔ ابن نمیر نے اسے ثقہ کہا (تہذیب التہذیب ۶/۱۱۲)

۱۴۔ یحیی بن سعید القطان اسے ثقہ کہتے تھے إلخ (تہذیب التہذیب ۶/۱۱۲)

۱۵۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: محلّہ الصدق

۱۶۔ ابن عدی نے کہا: أرجو أنہ لا بأس بہ وھو یکتب حدیثہ (ایضاً ۶/۱۱۲)

۱۷۔ ابن حبان نے کہا: أحد الثقات المتقنین إلخ (صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، نسخہ محققہ ج ۵ ص ۱۸۴ قبل ح ۱۸۶۵)

۱۸۔ ابن القطان الفاسی نے کہا: وعبدالحمید ثقۃ إلخ (بیان الوہم والإیہام فی کتاب الاحکام ج ۳ ص ۵۱۴ ح ۱۲۸۷)

۱۹۔ عبدالحق الاشبیلی نے عبدالحمید بن جعفر کی اس حدیث کو ''صحیح متصل'' قرار دیا (بیان الوہم والإیھام ۲/۴۶۲ ح ۴۶۲)

۲۰۔ حاکم نیشاپوری نے اس کی حدیث کو صحیح کہا (المستدرک ۱/۵۰۰ ح ۱۸۴۲)

۲۱۔ بوصیری نے اس کی حدیث کو ھذا اسناد صحیح کہا (زوائد ابن ماجہ:۱۴۳۴)

۲۲۔ ابن تیمیہ، ۲۳۔ خطابی اور ۲۴۔ابن القیم نے اس کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا۔

۲۵۔ بیہقی نے عبدالحمید بن جعفر پر طحاوی کی جرح کو مردود کہا (معرفۃ السنن والآ ثار ۱/ ۵۵۸ تحت ح ۷۸۶)

۲۶۔ ابن الجارود نے منتقیٰ میں روایت کرکے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا (المنتقیٰ:۱۹۲)

۲۷۔ زیلعی حنفی نے کہا: ولکن وثقہ اکثر العلماءِ، اور لیکن اکثر علماء نے اسے ثقہ قرار دیا ہے (نصب الرایہ ۱/۳۴۴، اس کے بعد زیلعی کا ''إنہ غلط فی ھذا الحدیث'' لکھنا مردود ہے)

۲۸۔ الضیاء المقدسی نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا (دیکھئے المختارۃ ۱/۵۱۶ ح ۳۸۴)

۲۹۔ ابونعیم الاصبہانی

۳۰۔ اور ابوعوانہ الاسفرائنی نے عبدالحمید بن جعفر کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ (دیکھئے المسند المستخر ج علی صحیح مسلم لابی نعیم ۲/۳۴ ح ۱۱۷۵، مسند ابی عوانۃ ۱/۳۹۱)

۳۱۔ نسائی نے کہا: لیس بہ بأس (تہذیب التہذیب ۶/۱۱۲)

اس جمِ غفیر کی توثیق کے مقابلے میں ۱۔سفیان ثوری، ۲۔ طحاوی، ۳۔ یحییٰ بن سعید القطان، ۴۔نسائی اور ۵۔ ابوحاتم الرازی کی جرح ہے جو جمہور کی تعدیل کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔سفیان ثوری کی جرح کا سبب مسئلہ قدر ہے، اس کی تردید ذہبی نے مسکت انداز میں کردی ہے (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۷/۲۱)

ثقہ راوی پر قدری وغیرہ کی جرح مردود ہوتی ہے۔یحییٰ القطان، نسائی اور ابوحاتم الرازی کی جرح اُن کی تعدیل سے معارض ہے۔طحاوی کی جرح کو بیہقی نے رد کردیا ہے۔نسائی کے قول ''لیس بہ بأس'' کے لیے دیکھئے تہذیب الکمال (۱۱/۴۱) وسیر اعلام النبلاء (۷/۲۱) وتاریخ الاسلام للذھبی (۹/۶/۴۷)

خلاصة التحقيق : عبدالحمید بن جعفر ثقہ صحیح الحدیث راوی ہیں۔ والحمدللہ

حافظ ابن القیم نے عبدالحمید بن جعفر پر جرح کو مردود قرار دیا ہے (تہذیب السنن مع عون المعبود ۲/۴۲۱)

عبدالحمید مذکور پر طحاوی کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ابوحاتم کی جرح باسند صحیح نہیں ملی اور اگر مل بھی جائے تو جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔[نیز دیکھئے توثیق کرنے والے:۱۵]

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن اربعہ کے مرکزی راوی محمد بن عمرو بن عطاء القرشی العامری المدنی کا مختصر وجامع تعارف پیش خدمت ہے۔

2. محمد بن عمرو بن عطاء =

(۱) ابوزرعہ الرازی نے کہا: ثقۃ [الجرح والتعدیل ۸/۲۹ وسندہ صحیح] (۲) ابوحاتم الرازی نے کہا: ثقۃ صالح الحدیث [الجرح والتعدیل ۸/۲۹] (۳) ابن سعد نے کہا: وکان ثقۃ لہ أحادیث [الطبقات الکبریٰ، القسم المتمم ص۱۲۳، ۱۲۴]

(۴) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا [۳۶۸/۵] (۵) بخاری (۶) مسلم (۷) الترمذی (۸) ابن خزیمہ (۹) خطابی (۱۰) ابن تیمیہ (۱۱) ابن الجارود [المنتقی: ۱۹۲] (۱۲) ابن القیم نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ (۱۳) ذہبی نے کہا: أحد الثقات [سیر أعلام النبلاء ۲۲۵/۵] (۱۴) ابن حجر العسقلانی نے کہا: ثقة ..... ووھم من قال: إن القطان تکلم فیہ، أو إنہ خرج مع محمد بن عبداللہ بن حسن فإن ذاک ھو ابن عمرو بن علقمة الآتی [تقریب التہذیب: ۶۱۸۷]

(۱۵) نسائی نے کہا: ثقة [تہذیب الکمال ۱۱۲/۱۷] (۱۶) ابوعوانہ الاسفرائنی [مسند ابی عوانہ ۲۶۹/۱] اور (۱۷) ابونعیم الاصبہانی [المستخرج علی صحیح مسلم ۳۹۶/۱ ح ۷۹۳] نے اس کی حدیث کو صحیح کہا۔ (۱۸) الضیاء المقدسی نے اس کی حدیث کو المختارہ میں روایت کر کے صحیح قرار دیا [المختارہ ۶۳/۱۳ ح ۹۶] (۱۹) حاکم نے اس کی حدیث کو ''صحیح علی شرط الشیخین'' کہا [المستدرک ۳۸۱/۱ ح ۱۴۰۶] (۲۰) ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان المدنی نے کہا: وکان امرئ صدق [تہذیب الکمال ۱۱۲/۱۷] (۲۱) ابن القطان الفاسی نے کہا: احد الثقات [نصب الرایۃ ۳۷/۲، بیان الوھم والإیھام ۳۶۷/۵ ح ۲۵۴۰] (۲۲) ابو محمد (عبدالحق الاشبیلی) اس کی احادیث کو صحیح کہتے ہیں [بیان الوھم والإیھام ۳۶۸/۵] (۲۳) زیلعی حنفی نے ابن القطان کی توثیق نقل کر کے تردید نہیں کی [نصب الرایہ ۳۷/۲] (۲۴) محمد بن عمرو بن عطاء کی حدیث سے عینی حنفی نے حجت پکڑی [دیکھئے شرح سنن ابی داود للعینی ج ۵ ص ۷۷ ح ۱۲۶۰] (۲۵) نووی نے محمد بن عمرو بن عطاء کی حدیث سے حجت پکڑی اور اسے صحیح یا حسن قرار دیا [دیکھئے خلاصۃ الأحکام ۳۴۴/۱ ح ۱۰۴۱-۱۰۴۴ وص ۳۹۴ ح ۱۲۴۵] (۲۶) حسین بن مسعود البغوی نے اس کی حدیث کو صحیح کہا [شرح السنۃ ۱۵/۱۳ ح ۵۵۷] حافظ ابن القیم نے کہا: ''**فإنہ من کبار التابعین المشھورین بالصدق والأمانة والثقة**'' (تہذیب السنن مع عون المعبود ۴۲۱/۲)

اس جمِ غفیر کے مقابلے میں ابن القطان الفاسی نے محمد بن عمرو پر یحییٰ بن سعید القطان اور سفیان ثوری کی جرح نقل کی ہے (تہذیب التہذیب ۳۷۴/۹) یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے۔

۱: یہ جمہور کے خلاف ہے۔

۲: اس جرح کا تعلق محمد بن عمرو بن عطاء سے نہیں بلکہ محمد بن عمرو بن علقمة اللیثی سے ہے، دیکھئے تہذیب التہذیب (۳۷۴/۹، دوسرا نسخہ ۳۳۲/۹)

تنبیہ: محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی پر بھی جرح مردود ہے، وہ قولِ راجح میں صدوق حسن الحدیث راوی ہے والحمدللہ

خلاصة التحقیق: محمد بن عمرو بن عطاء المدنی بالاجماع یا عندالجمہور ثقہ و صحیح الحدیث راوی ہے۔

تنبیہ: احمد یار نعیمی بریلوی رضا خانی نے کذب و افترا کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''محمد بن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابوحمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سُنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔''

(جاء الحق حصہ دوم ص ۶۵ چھٹا باب رفع یدین کرنا منع ہے، دوسری فصل)

محمد بن عمرو بن عطاء المدنی رحمہ اللہ کو کسی محدث نے بھی جھوٹا نہیں کہا لہذا معلوم ہوا کہ احمد یار نعیمی بذاتِ خود بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ یہ احمد یار نعیمی وہی شخص ہے جس نے لکھا ہے کہ:

''قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ عَلَى الْهُدىٰ ۔ وكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ''

(جاء الحق حصہ دوم ص ۳۹ چوتھا باب، امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے، دوسری فصل)

حالانکہ قرآن کریم میں احمد یار کی بیان کردہ آیت موجود نہیں ہے۔ جو شخص اللہ پر جھوٹ بولتے نہیں شرماتا وہ محمد بن عمرو بن عطاء اور ثقہ راویوں کے خلاف جھوٹ لکھنے سے کب شرماتا ہے؟

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا سن وفات

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کی تردید کے لئے جمہور محدثین کے اقوال اور دندان شکن دلائل پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بہت بعد ۵۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔

۱: امام لیث بن سعد المصری (متوفی ۱۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے (کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان ج ۳ ص ۳۲۲ وسندہ صحیح، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۵۵۸/۱ ح ۷۸۷ وسندہ صحیح)

۲: سعید بن عفیر (متوفی ۲۲۶ھ) نے کہا: ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

(تاریخ بغداد ۱۶۱/۱ ت ۱۰ وسندہ صحیح)

۳: محمد بن عبداللہ بن نمیر (متوفی ۲۳۷ھ) نے کہا: ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴۰/۳ ح ۳۲۷۵ وسندہ صحیح)

۴۔ یحیی بن عبداللہ بن بکیر (متوفی ۲۳۱ھ) نے کہا: ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴۰/۳ ح ۳۲۷۴ وسندہ صحیح)

۵۔ ابراہیم بن المنذر (متوفی ۲۳۶ھ) نے کہا: ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

(معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم الأصبہانی ۷۴۹/۲ ح ۱۹۹۲، والمستدرک للحاکم ۴۸۰/۳)

۶۔ یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) نے کہا آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ (کتاب الکنیٰ للدولابی ۴۹/۱)

۷۔ ابوجعفر عمرو بن علی الفلاس نے کہا: آپ مدینہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۱۵/۷۱)

۸۔ ابن البرقی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (تاریخ دمشق ۱۰۷/۷۱)

۹۔ ابواحمد الحاکم نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (تاریخ دمشق ۱۰۷/۷۱)

۱۰۔ ترمذی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب السنن لابن القیم مع عون المعبود ۲/ ۴۲۲)

۱۱۔ ابوعبداللہ بن مندہ الحافظ نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (ایضاً ۲/ ۴۲۲ ومعرفۃ السنن والآثار ۱/ ۵۵۸)

۱۲۔ امام بیہقی نے کہا: اہل تاریخ کا اس پر (امام بیہقی کے زمانے میں) اجماع ہے کہ ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) ۵۴ھ میں فوت ہوئے (معرفۃ السنن والآثار ۱/ ۵۵۸ قبل ح ۷۸۷)

۱۳۔ ذہبی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (تجرید اسماء الصحابہ ۲/ ۱۹۴، الاعلام بوفیات الاعلام ۱/ ۳۷ ت ۱۳۱)

۱۴۔ ابن کثیر نے انہیں ۵۴ھ کی وفیات میں ذکر کیا ہے (البدایہ والنہایہ ۸/ ۷۰)

۱۵۔ ابن حبان نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ إلخ (الثقات ۳/ ۷۴)

۱۶۔ خلیفہ بن خیاط نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۲۳)

۱۷۔ امام بخاری نے آپ کو ۵۰ھ کے بعد ۶۰ھ تک وفیات میں ذکر کیا ہے (التاریخ الصغیر ۱/ ۱۳۱)

۱۸۔ ابن حجر العسقلانی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (تقریب التہذیب: ۸۳۱۱)

۱۹۔ ابن الجوزی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (المنتظم ۵/ ۲۶۸)

۲۰۔ ابن العماد الحنبلی نے کہا: آپ ۵۴ھ میں فوت ہوئے (شذرات الذہب ۱/ ۶۰)

۲۱۔ عینی حنفی (!) نے کہا: آپ (ایک قول میں) ۵۴ھ میں فوت ہوئے (عمدۃ القاری ۲/ ۲۹۴ ح ۱۵۳ باب النهي عن الاستنجاء باليمين)

اس جم غفیر اور جمہور کے مقابلے میں حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی حیاتی نے ہیثم بن عدی (کذاب) سے نقل کیا ہے کہ (سیدنا) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۳۸ھ میں فوت ہوئے (نور الصباح ص ۲۰۷) حنبل بن اسحاق نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ۳۸ھ میں فوت ہوئے (تاریخ بغداد ۱/ ۱۶۱) یہ اقوال جمہور کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ ہیثم بن عدی (کذاب) پر جرح کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۴/ ۳۲۴ ت ۹۳۱۱) وعام کتب المجروحین۔

امام یحیی بن معین نے کہا: ''کوفي، لیس بثقۃ، کذاب'' (الجرح والتعدیل ۹/ ۸۵ وسندہ صحیح) کیا خیال ہے اگر ہم بھی ہیثم بن عدی (کذاب) کے مقابلے میں محمد بن عمر الواقدی (کذاب علی الراجح) کی روایت پیش کر دیں تو جو اس نے یحییٰ بن عبداللہ بن ابی قتادہ (وثقہ ابن حبان / الثقات ۷/ ۵۹۴، وصحح لہ الحاکم فی المستدرک ۱/ ۳۵۳ ح ۱۳۰۵ ووافقہ الذہبی) سے نقل کی ہے کہ سیدنا ابوقتادہ (رضی اللہ عنہ) مدینہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۶/ ۱۵ وسندہ صحیح الی الواقدی)

یاد رہے کہ حنفیوں و بریلویوں اور بعض دیوبندیوں کے نزدیک واقدی کذاب نہیں ہے۔

ابن ہمام حنفی نے کہا: ''وھذا تقوم به الحجة عندنا إذا وثقنا الواقدي'' إلخ (فتح القدیر ج ۱ ص ۶۹)

احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ''امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں'' (فتاوی رضویہ نسخہ جدیدہ ج ۵ ص ۵۲۶) نیز

دیکھئے منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین (ص ۹۱) اور الامن والعلیٰ (ص ۷۶، ۷۷)
عبدالحق دیوبندی، اکوڑہ خٹک والے نے کہا: ''کیونکہ واقدی کی روایت اگرچہ حلال وحرام کے مسائل میں حجت نہیں ہے اور حدیث میں وہ ضعیف ہیں مگر تاریخ میں ان کی روایت جمہور تسلیم کرتے ہیں'' (حقائق السنن ج ۱ ص ۲۸۶)
نیز دیکھئے آثار السنن (تحت ح ۷) وسیرۃ المصطفیٰ از محمد ادریس کاندھلوی (ج ۱ ص ۷۷-۸۰)

ایک روایت کا جائزہ

بعض الناس نے موسی بن عبداللہ بن یزید کی روایت پیش کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تھا...... الخ
اس روایت کے بارے میں حدیث کے امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ''**وهو غلط لإجماع أهل التواريخ ..**''
یعنی یہ روایت اہل تاریخ کے نزدیک بالاجماع غلط ہے (معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۵۵۸)
حافظ ابن القیم نے کہا: ''**وقد خطأ الأئمة رواية موسى هذه ومن تابعه وقالوا :هي غلط**'' الخ
اور اماموں نے موسی (بن عبداللہ بن یزید) کی اس روایت کو خطا قرار دیا ہے۔ اور جو لوگ اس روایت کی اتباع کرنے والے ہیں (مثلاً طحاوی حنفی) انہیں بھی غلط قرار دیا ہے۔ امام کہتے ہیں کہ: یہ روایت غلط ہے (تہذیب السنن ۴۲۳/۲)
جمہور ائمہ کرام کے مقابلے میں دیوبندیوں و بریلویوں اور بعض حنفیوں کا اس روایت کو صحیح قرار دینا غلط ہے دوسرے یہ کہ اس روایت میں موسی مذکور نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زندہ موجود تھے۔
تنبیہ بلیغ: عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی رحمہ اللہ کی کتاب ''معجم الصحابۃ'' میں لکھا ہے کہ: ''**عن موسی الأنصاري قال :أتانا علي رحمه الله فصلى على أبي قتادة فكبر سبعة**'' (ج ۲ ص ۴۰ ح ۴۳۶)
اس کی سند اسماعیل بن ابی خالد: مدلس کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسماعیل مذکور کی تدلیس کے لئے دیکھئے طبقات المدلسین (۲/۳۶، والراجح انہ من المرتبۃ الثالثۃ) ومیزان الاعتدال (۲۶۰/۱) وجامع التحصیل للعلائی (ص ۱۰۵) والمدلسین لابی زرعۃ بن العراقی (۳) والمدلسین للسیوطی (ص ۳) والمدلسین للحلبی (ص ۱۴) ومنظومۃ ابی محمود المقدسی۔
بعض لوگ شعبی (تابعی) کی منقطع روایت پیش کرتے ہیں۔ مجھے یہ روایت باسند نہیں ملی۔ واللہ اعلم
بعض الناس نے ''امام حسن بن عثمان'' کا قول بغیر کسی سند کے پیش کیا ہے، دیکھئے نور الصباح (ص ۲۰۶)
حسن بن عثمان نام کے دو راویوں کا ذکر لسان المیزان (۲۱۹/۲، ۲۲۰) میں ہے اور یہ دونوں مجروح ہیں۔

ایک عظیم الشان دلیل

امام نافع (تابعی) رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ (سیدنا) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ام کلثوم بنت علی (رضی اللہ عنہا)

کا جنازہ پڑھا، لوگوں میں (سیدنا) ابوسعید اور (سیدنا) ابوقتادہ (رضی اللہ عنہم) موجود تھے۔ إلخ

(سنن النسائی ۴/ ۷۱، ۷۲ ح ۱۹۸۰ وسندہ صحیح، ومصنف عبدالرزاق ۳/ ۴۶۵ ح ۶۳۳۷ وسندہ صحیح، منتقی ابن الجارود: ۵۴۵)

عمار بن ابی عمار مولی الحارث بن نوفل سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت (ام کلثوم) اور ان کے بیٹے کا جنازہ پڑھا۔ جنازہ پڑھنے والوں میں (سیدنا) ابوسعید الخدری (سیدنا) ابن عباس (سیدنا) ابوقتادہ اور (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) موجود تھے۔ إلخ

(سنن النسائی ۴/ ۷۱ ح ۱۹۷۹ وسندہ صحیح) جس عورت کا جنازہ پڑھا گیا تھا یہ ام کلثوم تھیں (سنن ابی داود: ۳۱۹۳ وھو صحیح بالشواھد)

ابن سعد نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حالات میں عمار بن ابی عمار سے نقل کیا کہ میں ان کے جنازے میں حاضر تھا، ان کا جنازہ سعید بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے پڑھایا تھا جو اس وقت مسلمانوں کے امیر تھے (طبقات ابن سعد ۸/ ۴۶۴، ۴۶۵ وسندہ صحیح)

عبداللہ البہی کہتے ہیں کہ میں حاضر تھا جب (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم کا جنازہ پڑھا تھا۔

(طبقات ابن سعد ۸/ ۴۶۴ وسندہ صحیح)

عمار بن ابی عمار سے ہی سے روایت ہے کہ میں جنازے میں حاضر تھا اور لوگوں میں (سیدنا) ابوسعید الخدری (سیدنا) عبداللہ بن عباس (سیدنا) ابوقتادہ اور (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) موجود تھے (التاریخ الصغیر للبخاری ۱/ ۱۲۹ وسندہ صحیح، عطاء ھو ابن ابی رباح)

سنن النسائی وغیرہ میں ہے کہ اس وقت (مدینہ میں) لوگوں کے امام (یعنی امیر) سعید بن العاص (رضی اللہ عنہ) تھے (النسائی ۴/ ۷۱ ح ۱۹۸۰ وسندہ صحیح)

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ۴۸ھ سے ۵۵ھ تک اقتدار میں رہے (تہذیب السنن ۲/ ۴۲۳) آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کئی دفعہ مدینہ کے والی (امیر) بنے (تاریخ الاسلام للذھبی ۴/ ۲۲۵) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے (تقریب التہذیب: ۶۷۵۸)

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ۶۰ھ سے پہلے فوت ہوئے، ۵۸ھ وغیرہ، دیکھئے تقریب التہذیب ۲۳۳۷) وکتب التاریخ

یہ بات عقلاً محال ہے کہ ۳۸ھ میں فوت ہونے والا شخص ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان میں فوت ہونے والے کے جنازے میں شامل ہو، لہٰذا درج بالا روایت نص قاطع اور دلیل واضح ہے کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ کے بعد (یعنی ۵۴ھ) میں فوت ہوئے۔ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت نہیں ہوئے۔ یہ ایسی دلیل ہے جس کا کوئی جواب کسی حنفی و دیوبندی و بریلوی کے پاس نہیں ہے۔ والحمدللہ

خلاصة التحقيق: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے محمد بن عمرو بن عطاء کی روایت منقطع نہیں ہے بلکہ متصل ہے۔
طحاوی اوران کے مقلدین کا یہ دعویٰ کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہو گئے تھے، غلط اور باطل ہے۔ صحیح و متصل روایات اس دعویٰ کو غلط اور باطل قرار دے رہی ہیں۔

ایک اور دندان شکن دلیل

(مروی ہے کہ) مہلب بن ابی صفرہ نے ۴۴ھ میں قندابیل (ہند) پر حملہ کیا۔ کابل کے قیدیوں میں سے مکحول، نافع مولی ابن عمر، کیسان والد ایوب السختیانی اور سالم الافطس تھے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۰۶ و تاریخ الاسلام للذہبی ج۴ص۱۲ حوادث سنة أربع وأربعین)

معلوم ہوا کہ امام نافع رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں ۴۴ھ یا اس کے بعد لائے گئے۔

نافع کہتے ہیں کہ: '' **فنظرتُ إلی ابن عباس وأبي هریرة وأبي سعید وأبي قتادة فقلت: ماهذا ؟ قالوا! هي السنة** '' پس میں نے ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید اور ابوقتادہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف دیکھا، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ سنت ہے۔ (سنن النسائی ۴/۷۱، ح ۱۹۸۰ و سندہ صحیح)

اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات (۴۰ھ) کے بعد، کم از کم ۴۴ھ یا اس کے بعد سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے۔ لہذا حنفیوں و بریلویوں و دیوبندیوں کا یہ پروپیگنڈا کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں یا اس سے پہلے فوت ہو گئے تھے، بے بنیاد ہے۔

ایک اور دلیل

شاہ ولی اللہ الدہلوی کہتے ہیں کہ: '' صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ اردو ج ۱ ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی)

رشید احمد گنگوہی نے کہا:

'' مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں وہ سب سے راجح ہے'' (تالیفات رشیدیہ ص ۳۳۷)

محمد تقی عثمانی نے کہا:

'' جہاں تک صحیحین اور مؤطا کا تعلق ہے ان کے بارے میں اتفاق ہے کہ ان کی تمام احادیث نفس الامر میں بھی صحیح ہیں'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۶۳)

احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک صحیحین کا بڑا مقام ہے۔ وہ کسی شخص کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

'' کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کر دو گے!...... صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی''

(فتاویٰ رضویہ/ جدید ج ۵ ص ۱۸۰)

احمد رضا خان لکھتے ہیں:

''یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے'' (فتاوی رضویہ ۱۷۴/۵)

محدثین کرام اور اہلِ حدیث کے نزدیک بھی صحیحین کی مسند متصل مرفوع تمام احادیث صحیح ہیں۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص۲۳، ۳۴) وعلوم الحدیث لابن الصلاح (ص۴۱، ۴۲ دوسرا نسخہ ص ۹۷) اور ثناء اللہ الزاہدی (اہلِ حدیث) کا رسالہ'' أحاديث الصحيحين بين الظن و اليقين '' والحمد للہ

صحیح بخاری میں ہے کہ:

'' عن محمد بن عمرو بن عطاء أنه كان جالساً فی نفرٍ من أصحاب رسول الله ﷺ فذ كرنا صلاة النبي ﷺ فقال أبو حميد الساعدي ......'' محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ (محمد بن عمرو بن عطاء نے کہا:) پس ہم نے نبی ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو (سیدنا) ابوحمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا...... (کتاب الاذان باب سنۃ الجلوس فی التشہد ح ۸۲۸)

صحیح حدیث سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوا کہ:

(۱) محمد بن عمرو بن عطاء صحابہ کرام کی مجلس میں موجود تھے۔

(۲) اس مجلس میں نبی ﷺ کی نماز کا ذکر ہوا تھا۔

(۳) سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے محمد بن عمرو بن عطاء کے سامنے حدیث سنائی تھی۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس مجلس میں کون کون سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) موجود تھے تو ان میں سے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر عبدالحمید بن جعفر (ثقہ) کی عن محمد بن عمرو بن عطاء والی روایت میں موجود ہے۔

والحدیث یفسر بعضہ بعضاً، والحمد للہ

ایک اور دلیل

محمد بن عمرو بن عطاء کی روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ محمد بن اسحاق (بن یسار) نے عباس بن سہل بن سعد الساعدی (ثقہ/تقریب التہذیب: ۳۱۷۰) سے نقل کیا ہے کہ:

'' كنت بالسوق مع أبي قتادة وأبي أسيد وأبي حميد كلهم يقول: أنا أعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ فقالوا لأحدهم: صلّ ......'' إلخ

میں (سیدنا) ابوقتادہ (سیدنا) ابواسید اور (سیدنا) ابوحمید کے ساتھ بازار میں تھا۔ ان میں سے ہر آدمی یہ کہہ رہا تھا کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، تو انہوں نے ایک کو کہا: تو نماز پڑھ...... إلخ (جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۶ وصحیح ابن خزیمہ: ۶۸۱ واتحاف المہرۃ باطراف العشرۃ ج ۱۴ ص ۸۲ ح ۱۷۴۵۰)

یہ روایت حسن ہے۔ ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

محمد بن اسحاق بن یسار کا حدیث میں مقام

محمد بن اسحاق پر محدثین کرام کا اختلاف ہے۔امام مالک وغیرہ نے انہیں کذاب کہا ہے لیکن جمہور محدثین نے انہیں ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث اور حسن الحدیث قرار دیا ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نور العینین فی (اثبات) مسئلہ رفع الیدین'' (ص۴۲، ۴۳ طبع سوم)

زیلعی حنفی نے کہا: ''**وابن إسحاق الأكثر على توثيقه**'' اور ابن اسحاق کو اکثر نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(نصب الرایہ ج۴ ص۷)

عینی حنفی نے کہا: ''**إن ابن إسحاق من الثقات الكبار عند الجمهور**'' بے شک ابن اسحاق جمہور کے نزدیک بڑے ثقات (ثقہ راویوں) میں سے ہے۔(عمدۃ القاری ۲۷۰/۷)

محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے کہا: ''جمہور علماء نے اس کی توثیق کی ہے۔'' (سیرت المصطفیٰ ج ا ص ۷۶)

نیز دیکھئے تبلیغی نصاب از محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی (ص ۵۹۵) وفضائل ذکر (ص ۱۱۷)

احمد رضا خان بریلوی نے کہا:

''محمد بن اسحاق تابعی ثقہ امام السیر والمغازی'' (الأمن والعلی ص ۱۷۰)

احمد رضا خان نے مزید کہا:

''ہمارے علماء کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے''

(منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین ص ۱۴۵ حاشیہ)

تنبیہ: جمہور کی اس توثیق وتعدیل کے مقابلے میں سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب لکھتے ہیں کہ:

'' محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح وتعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایتِ حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں انکی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے انکی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے'' (احسن الکلام ج۲ ص ۷۰ طبع دوم)

یہ کہنا کہ محمد بن اسحاق پر پچانوے فیصدی محدثین جرح کرتے ہیں، صفدر صاحب کا بہت بڑا جھوٹ ہے۔''

بعض لوگوں نے ابن اسحاق کی احکام میں روایات پر جرح کی ہے لیکن جمہور محدثین نے احکام میں بھی انہیں صحیح الحدیث وحسن الحدیث قرار دیا ہے۔چند حوالے درج ذیل ہیں۔

۱: ابن خزیمہ (۱/۱۱ ح ۱۵، وغیرہ)

۲: ابن حبان (الاحسان: ۱۰۷۷ دوسرا نسخہ: ۱۰۸۰، وغیرہ)

۳: الترمذی (ح ۱۱۵ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح، الخ)

۴: الحاکم (المستدرک ۴۸۶/۱ ح ۷۸۶ اوقال: ھذا حدیث صحیح الاسناد)

۵: الذہبی (تلخیص المستدرک ۱/۴۸۶ وقال: صحیح)

محمد بن اسحاق کی بیان کردہ فاتحہ خلف الامام کی حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح، حسن اور جید قرار دیا ہے۔

۷: دارقطنی (۱/۳۱۷، ۳۱۸ ح ۱۲۰۰ وقال: ھذا إسناد حسن)

۸: بیہقی (کتاب القرأت خلف الامام ص ۵۸ ح ۱۱۴ وقال: وھذا إسناد صحیح)

۹: ابوداود (بحوالہ التلخیص الحبیر ۱/۲۳۱ ح ۳۴۴)

۱۰: خطابی (معالم السنن ۱/۱۷۷ ح ۲۵۲ وقال: وإسنادہ جید لا طعن فیہ) وغیرہم

معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کے نزدیک محمد بن اسحاق بن یسار کی حدیث احکام میں بھی صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ لہذا جمہور کے مقابلے میں بعض محدثین کے اقوال کی بنیاد پر یہ پروپیگنڈا کرنا کہ احکام میں اس کی روایت حجت نہیں غلط اور مردود ہے۔

نام نہاد اضطراب کا دعوی

بعض الناس نے یہ دعوی کیا ہے کہ سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث ''مضطرب'' ہے۔ ان لوگوں کی بیان کردہ ''اضطرابی'' اسانید اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے۔

۱: محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید رضی اللہ عنہ (صحیح البخاری: ۸۲۸ وسنن ابی داود: ۷۳۰)

☆ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

۲: محمد بن عمرو: **أخبرني مالك عن عياش أو عباس بن سهل** (السنن الکبری للبیہقی ۲/۱۰۱)

☆ اس کا راوی عیسی بن عبداللہ بن مالک مجہول الحال ہے، اسے سوائے ابن حبان کے کسی نے ثقہ نہیں کہا، لہذا یہ سند ضعیف ہے، محمد بن عمرو بن عطاء سے ثابت ہی نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داود ص ۱۱۸ ح ۷۳۳)

تنبیہ: السنن الکبری للبیہقی میں ''أخبرني مالک'' کا لفظ غلط ہے۔ صحیح ''أحد بني مالک'' ہے۔ دیکھئے السنن الکبری للبیہقی (ج ۲ ص ۱۱۸) وصحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۸۶۳ دوسرا نسخہ: محققہ ۵/۱۸۱ ح ۱۸۶۶)

۳: محمد بن عمرو عن عباس بن سہل عن ابی حمید رضی اللہ عنہ (البیہقی ۲/۱۱۸)

☆ اس کی سند عیسی بن عبداللہ بن مالک (مجہول الحال) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہی ضعیف روایت سنن ابی داود (۷۳۳) میں ''محمد بن عمرو بن عطاء عن عباس أو عیاش بن سہل'' کی سند سے ہے۔

۴: محمد بن عمرو بن عطاء عن رجل عن ابی حمید رضی اللہ عنہ۔ إلخ ملخصاً (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۲۵۹)

☆ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی عبداللہ بن صالح کاتب اللیث مختلف فیہ راوی ہے۔ اگرچہ یحیی بن معین، بخاری، ابوزرعہ اور ابوحاتم (وغیرہم) ماہرین اس سے روایت کریں تو روایت صحیح ہوتی ہے، دوسروں کی روایت میں

توقف کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۱۴) طحاوی کے دونوں استاد فہد اور یحیی بن عثمان اہل الحذق (فنِ حدیث کے ماہرین) میں سے نہیں ہیں لہذا یہ سند ضعیف ہے۔ نیز دیکھئے میزان الاعتدال (۴۴۰/۶۔۴۴۵) وتقریب التہذیب (۳۳۸۸) والجوہر النقی (۳۰۹/۱)

دوسرے یہ کہ اصولِ حدیث کا ایک طے شدہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی اپنے استاد سے تصریحِ سماع (حدثنا، سمعت وغیرہ) کے ساتھ ایک روایت بیان کرے اور یہی روایت اپنے اور اپنے استاد کے درمیان کسی واسطے سے بیان کرے تو دونوں روایتیں محفوظ ہوتی ہیں لیکن اعتبار اسی روایت کا ہوتا ہے جس میں اس نے اپنے استاد سے تصریحِ سماع کر رکھی ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۲۸۹، ۲۹۰ دوسرا نسخہ ص ۳۹۲، ۳۹۳، النوع السابع والثلاثون: معرفۃ المزید فی متصل الاسانید)

مثلاً صحیح بخاری کی ایک روایت ''مجاہد عن ابن عباس'' کی سند سے ہے۔ (البخاری: ۲۱۶)

جبکہ دوسری روایت میں ''عن مجاہد عن طاؤس عن ابن عباس'' آیا ہے۔ (البخاری: ۱۳۶۱)

صحیح بخاری کی یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، انہیں مضطرب قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: اگر دو سندیں اس طرح ہوں کہ (۱) محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید (۲) محمد بن عمرو عن رجل عن ابی حمید فرض کریں کہ پہلی سند میں سماع کی تصریح نہیں ہے اور دوسری سند میں رجل مجہول ہے تو بے شک ایسی روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔ لیکن ہماری بیان کردہ روایت میں سماع کی تصریح بھی ہے۔ لہذا وہ ''عن رجل'' والی سند سے ضعیف نہیں ہوتی بلکہ یہ بشرطِ صحت اس کی تائیدی روایت بن جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ عطاف بن خالد والی اس سند میں ''رجل'' سے مراد ''عباس بن سہل'' ہے جیسا کہ عیسی بن عبداللہ بن مالک (مجہول الحال) کی ضعیف حدیث میں صراحت ہے۔ (دیکھئے الاحسان: ۱۸۶۶) حافظ ابن حبان کے نزدیک یہ روایت محمد بن عمرو نے سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ سے بھی سنی ہے اور عباس بن سہل سے بھی سنی ہے۔ (الاحسان نسخہ محققہ ۱۸۲/۵)

فیض الباری کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ ''لا بأس بضعف الروایة فإنها تكفي لتعيين أحد المحتملات'' یعنی ضعیف حدیث کے ساتھ دو محتمل معنوں میں سے ایک معنی کا تعین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یاد رہے کہ ابن حبان وابوداود والی اس ضعیف روایت، جس میں عباس بن سہل کا ذکر موجود ہے، کو نیموی حنفی نے ''اسنادہ صحیح'' لکھا ہوا ہے (آثار السنن: ۴۴۹)!!

خلاصۃ التحقیق: عبدالحمید بن جعفر کی بیان کردہ یہ روایت صحیح و محفوظ ہے اور اس پر اضطراب کی جرح باطل و مردود ہے۔

امام محمد بن یحیی الذھلی کا اعلان

سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی مجلسِ صحابہ میں بیان کردہ حدیث ''فلیح بن سلیمان: حدثنی العباس بن

سهل الساعدی '' کی سند سے بھی مروی ہے۔(سنن ابن ماجہ: ۸۶۳ وسندہ حسن، فليح بن سليمان من رجال الصحيحين و وثقه الجمهور)

اس حدیث میں شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد تینوں مقامات پر رفع یدین کا اثبات ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام بخاری اور بے شمار محدثین کے استاد امام محمد بن یحییٰ (الذھلی، متوفی ۲۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ: '' من سمع هذا الحديث ، ثم لم يرفع يديه ـ يعني إذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع ـ فصلاته ناقصة''

جو شخص یہ حدیث سن لے پھر بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین نہ کرے تو اس کی نماز ناقص (یعنی باطل) ہے۔(صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۹۸ ح ۵۸۹ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ امام ذھلی کا یہ قول کسی حدیث یا آثارِ سلف صالحین کے خلاف نہیں ہے۔

چند اهم نکات و فوائد

۱: امام ابوحاتم الرازی نے '' محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی '' کی حدیث کو '' والحدیث أصلہ صحیح '' کہہ کر '' فصار الحدیث مرسلاً '' یعنی مرسل قرار دیا ہے۔(علوم الحدیث ۱/۶۳ ح ۴۶۱، النسخۃ المحققۃ ۱/۴۲۴ ح ۴۶۱)

چونکہ محمد بن عمرو بن عطاء (ثقہ) نے سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کر دی ہے لہذا امام ابوحاتم کا اس روایت کو مرسل قرار دینا غلط ہے۔

۲: عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں ابوحاتم الرازی کہتے ہیں: محلّہ الصدق (الجرح والتعدیل ۶/۱۰، علل الحدیث ۱/۳۸۲ ح ۱۱۴۰، نسخہ محققہ ۲/۵۰) اس پر ابوحاتم کی جرح '' لا یحتج بہ '' (میزان الاعتدال ۲/۵۳۹ ت ۴۷۶۷) باسند صحیح نہیں ملی، لہذا یہ جرح امام ابوحاتم سے ثابت ہی نہیں ہے۔

۳: سیدنا ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ۳۰ھ، بعض کہتے ہیں: ۶۰ھ یا ۷۰ھ یا ۸۰ھ یا ۴۰ھ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۴۳۶) والإصابۃ (ص ۱۱۵۵، ۱۱۵۶)

لہذا بعض الناس کا بالجزم آپ کی وفات ۳۰ھ قرار دینا غلط ہے۔

طبقہ رابعہ کے راوی ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی نے کہا: ''سمعت ابا اسید الساعدی وابن عباس'' الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۹/۲۶۸، ۲۶۹ ح ۵۹۵ وسندہ حسن، وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۴/۱۱۴: وإسنادہ حسن)

جب طبقہ رابعہ والے تابعی کا سماع سیدنا ابواسید رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے تو طبقہ ثالثہ والے تابعی کا کیوں ناممکن ہے؟

اس سے بھی '' العلامۃ الحافظ الصادق'' علی بن محمد المدائنی کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ سیدنا ابواسید رضی اللہ عنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے، حافظ ذہبی کا اس قول کو '' وھذا بعید'' کہنا (سیر اعلام النبلاء ۲/۵۳۸) بذاتِ خود بعید اور محلِ نظر ہے۔

۴: سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۳ھ اور بعض نے ۴۶ھ اور ۴۷ھ

کہا ہے دیکھئے تہذیب الکمال (۱۷/۲۴۰) آپ کی صحیح تاریخ وفات نامعلوم ہے۔
یہ کہنا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہوگئے تھے، دعوی بلا دلیل ہے۔
اسی طرح بعض الناس کا یہ کہنا کہ ''سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ سے پہلے روپوش ہوگئے تھے'' غلط ہے۔
۵: امام لیث بن سعد، امام سعید بن عفیر، امام یحیی بن معین اور امام ترمذی وغیرہم نے کہا ہے کہ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ ان ائمہ کی تردید کرتے ہوئے ایک گستاخ شخص لکھتا ہے کہ: ''یہ تو سب مشرک وکارِ شیطان کرنے والے تھے''!
اس کا یہی جواب ہے کہ ''لعنۃ اللہ علی الظالمین'' امتِ مسلمہ کے جلیل القدر ثقہ اماموں کو ''مشرک'' اور ''کارِ شیطان کرنے والے'' کہنے والا شخص سخت گستاخ اور گمراہ ہے۔
۶: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ راوی ایک روایت بیان کرتا ہے، اس کے بعض شاگرد اسے مکمل مطول اور بعض شاگرد مختصر و ملخص بیان کرتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری میں مسیئ الصلوۃ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
''**إذا قمت إلی الصلوۃ فکبر**'' اِلخ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ...... اِلخ
(کتاب الاذان، باب وجوب القرأۃ للإمام والمأموم۔ ح ۷۵۷)
اس میں قبلہ رخ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ قبلہ رخ ہونا نماز کا رکن اور فرض ہے۔ وضو کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔
اس حدیث کی دوسری سند میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
''**إذا قمت إلی الصلوۃ فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلۃ فکبر**'' اِلخ
جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو پورا وضو کر، پھر قبلہ رخ ہو جا، پس تکبیر کہہ۔ اِلخ
(صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب من رد فقال: علیک السلام ح ۶۲۵۱)
اب اگر کوئی منکرِ حدیث یہ شور مچانا شروع کر دے کہ پہلی حدیث میں استقبالِ قبلہ اور وضو کا ذکر نہیں ہے۔ ''اور معرضِ بیان میں عدمِ ذکر کتمان ہے جو یہود کا شیوہ ہے''!
تو اس گمراہ و بے وقوف کا شور باطل و مردود ہے۔ اسے سمجھایا جائے گا کہ ایک صحیح روایت میں ذکر ہو اور دوسری صحیح میں ذکر نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔ احادیث کی تمام سندیں اور متون جمع کر کے مشترکہ مفہوم پر عمل کرنا چاہئے۔
انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں کہ:
''**اعلم أن الحدیث لم یجمع إلا قطعۃ قطعۃ فتکون قطعۃ عند واحد وقطعۃ أخری عند واحد فلیجمع طرقہ ولیعمل بالقدر المشترک ولا یجعل کل قطعۃ منہ حدیثاً مستقلاً**''
مفہوم: ''اور جان لو کہ احادیث کو ٹکڑوں کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ پس ایک ٹکڑا ایک راوی کے پاس ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے کے پاس، لہٰذا چاہئے کہ احادیث کی تمام سندیں (اور متون) جمع کر کے حاصلِ مجموعہ پر عمل کیا جائے

اور ہر ٹکڑے کو مستقل حدیث نہ بنایا جائے۔'' (فیض الباری ج ۳ ص ۴۵۵)

احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

''صدہا مثالیں اس کی پائے گا کہ ایک ہی حدیث کو رُواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں، کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا ٹکڑا، کوئی کس طرح، کوئی کس طرح۔ جمع طرق سے پوری بات کا پتہ چلتا ہے''

(فتاوی رضویہ نسخہ جدیدہ ج ۵ ص ۳۰۱)

لہذا جو لوگ یہ شور مچاتے ہیں کہ صحیح بخاری میں سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین نہیں ہے، ان کا شور غلط اور مردود ہے۔

ایک اہم نکتہ

صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۲ وسندہ صحیح)

اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ شروع نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کرتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۴۴، ۳۴۵ ح ۶۹۴، ۶۹۵ وسندہ صحیح، وقال الحافظ ابن حجر فی کتابہ موافقۃ الخبر الخبر ۱/ ۴۰۹، ۴۱۰ ''ھذا حدیث صحیح'')

ابن جریج نے سماع کی تصریح کر دی ہے اور یحیی بن ایوب الغافقی پر جرح مردود ہے، وہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہیں اور عثمان بن الحکم نے ان کی متابعت کر دی ہے۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ''**ولا یفعلہ حین یرفع رأسہ من السجود**'' یعنی آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نماز کا مفصل ذکر موجود ہے مگر اس میں شروع نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور رکعتیں (دو رکعتوں) کے بعد کسی رفع یدین کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کے بارے میں فرماتے:

''**إن كانت هذه لصلاته حتى فارق الدنيا**'' آپ ﷺ کی یہی نماز تھی حتی کہ آپ دنیا سے چلے گئے۔

(صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۲ ص ۲۹۰ ح ۸۰۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہی نماز پڑھتے تھے جو کہ نبی ﷺ کی آخری نماز تھی۔ اب چونکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین ثابت ہے لہذا اس سے خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے تھے۔ جس شخص کو اس سے اختلاف ہے تو اسے چاہئے کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح یا حسن ترکِ رفع یدین

کا ثبوت پیش کرے۔اس استدلال کے بعد ''التحقیق الراسخ فی أن أحادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا تو بڑی خوشی ہوئی کہ ہمارے استادوں کے استاد (شیخ الشیوخ) حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے بھی یہی استدلال کر کے آپ ﷺ کی وفات تک رفع یدین ثابت کیا ہے۔دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۹۰،۹۱ نویں حدیث) والحمدللہ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سجدوں میں بھی رفع یدین ثابت ہے۔

(بحوالہ سنن ابن ماجہ ص ۶۲ ح ۸۶۰ ومسند احمد ۲/۱۳۲ ح ۶۱۶۳)

تو عرض ہے کہ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱) اسماعیل بن عیاش کی غیر شامیین وحجازیین سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔دیکھئے سنن الترمذی (باب ما جاء فی الجنب والحائض ح ۱۳۱) وتہذیب الکمال (۲/۲۱۴۔۲۱۷)

صالح بن کیسان مدنی (وحجازی) ہیں۔دیکھئے تقریب التہذیب (۲۸۸۴)

(۲) اسماعیل بن عیاش مدلس ہیں۔(طبقات المدلسین ۳/۶۸،المرتبۃ الثالثۃ) اور یہ روایت عن سے ہے۔

اس ضعیف سند سے استدلال مردود ہے۔شیخ البانی رحمہ اللہ کو بڑا وہم ہوا ہے،انہوں نے بغیر کسی دلیل کے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

۷: بعض الناس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس حدیث کے متن میں اضطراب ہے۔وجہِ اضطراب یہ ہے کہ طحاوی (۱/۱۲۷) وسنن ابی داوٗد (ج ا ص ۱۰۶ ح ۷۳۰) میں تورک کا ذکر ہے لیکن سنن ابی داوٗد (ج ا ص ۱۰۷ ح ۷۳۳) میں تورک کی نفی (ولم یتورک) ہے۔

عرض ہے کہ ولم یتورک والی روایت (سنن ابی داود: ۷۳۳) بلحاظِ سند ضعیف ہے جیسا کہ اس مضمون میں گزر چکا ہے۔ اس کا راوی عیسی بن عبداللہ بن مالک مجہول الحال ہے۔اسے حافظ ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا۔مجہول الحال راوی کی روایت سے اضطراب ثابت کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو دن رات سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔یاد رہے کہ بعض روایات میں ''**قالوا جمیعاً صدقت**'' اور بعض روایات میں ان الفاظ کا نہ ہونا اضطراب کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ اسی مضمون میں مفصل ومدلل ثابت کر دیا گیا ہے۔

خلاصۃ البحث والتحقیق: اس مضمون کی ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالحمید بن جعفر (ثقہ) کی محمد بن عمرو بن عطاء المدنی (ثقہ) سے سیدنا ابو حمید الساعدی المدنی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث بالکل صحیح ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ شروع نماز،رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے......الخ

یہ روایت بالکل بے غبار ہے اس میں کسی قسم کا اضطراب نہیں۔جمہور محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کا اس حدیث کی تصدیق کرنا،اس کی واضح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے تھے۔ **وما علینا إلا البلاغ** (۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

ابوالاسجد صدیق رضا۔ کراچی

اتباع اور تقلید میں فرق (۱)

لفظ ''امام'' واحد ہے اور اس کی جمع ''ائمہ'' ہے۔ لفظ ''امام'' فِعال کے وزن پر اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ''مَنْ یوتم به'' جس کا قصد یا ارادہ کیا جائے، چونکہ مقتدا ورہنما کا قصد کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے اُسے امام کہتے ہیں، جس کی فرمانبرداری یا پیروی کی جائے تو اُسے ''امام'' کہتے ہیں، خواہ اس کی پیروی حق ہو یا باطل۔ اور پھر یہ پیروی کسی کی بھی ہو خواہ انسان کی ہو یا کسی کتاب کی۔

جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''تورات شریف'' کو ''امام'' کہا۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب امام ورحمت تھی

(ھود: ۱۷، الاحقاف: ۱۲)

قرآن مجید اور احادیث میں اس لفظ کا استعمال مختلف معنی میں ہوا ہے، جیسے حکمران کے معنی میں، اسی طرح نماز پڑھانے والے کے لئے، عام طور پر کسی علم میں بصیرت ومہارت رکھنے والے کو بھی ''امام'' کہا جاتا ہے، خواہ اُس کے عقائد سے اتفاق نہ بھی ہو۔ ہم قارئین کے اطمینان کے لئے فریق ثانی کے معتمد عالم اور دیوبندیوں کے موجودہ ''امام اہلسنت'' سرفراز خان صفدر صاحب کے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں:

''ہم نے اس کتاب میں مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں علامہ زمخشری سے ان کے غلو فی الاعتزال کی وجہ سے کوئی استدلال نہیں کیا بلکہ صرف امام عربیت ہونے کی وجہ سے حلِ عبارت میں استدلال کیا ہے اور ان کے امام اہل عربیت ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۱۳۵)

اسی طرح لکھتے ہیں:

''تکمیل بحث کے لئے ائمہ لغت سے بھی غیب کی تعریف نقل کردی جائے، مشہور امام لغت ابومنصور عبدالملک بن محمد الثعالبی (المتوفی ۴۲۹ھ) لکھتے ہیں'' (ازالۃ الریب صعج) حوالے تو مزید بھی دیئے جاسکتے ہیں لیکن بطورِ تائید یہی کافی ہے۔ اس سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی فن یا علم میں مہارت کی وجہ سے بھی ماہر کو عام طور پر ''امام'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقتدا ورہنما ومطاع اور امامت کے منصب پر فائز نہیں۔ نہ یہ واجب الاتباع امام ہیں کہ ان کی ہر ہر بات ہر ہر فعل پر عمل لازم ہو۔ ایسے ''امام'' صرف انبیاء کرام ہیں، عوام جب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے یا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کا استعمال سنتے ہیں تو انہیں بڑی حیرانگی ہوتی ہے اور بعض سادہ لوح حضرات تو کہہ بیٹھتے ہیں کہ جناب وہ تو نبی ہیں، نہ کہ امام حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ہر ہر نبی علیہ السلام ''امام'' تھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ انبیاء میں بعض انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ اور ہم نے اُن (رسولوں) کو امام بنایا تھا اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت/ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُن کی طرف نیک اعمال کرنے کی وحی کی۔ (الأنبیآء ۷۳)

اب دیکھئے قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن پر وحی کا نزول ہوتا ہے، جس سے وہ اپنی قوم کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چند باتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تو آپ ان آزمائشوں پر پورے اترے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ﴾

کہ میں تمہیں لوگوں کا ''امام'' بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی، تو اللہ نے فرمایا (ہاں لیکن) ظالم لوگ میرے اس وعدہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ (البقرہ:۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سیدنا اسمٰعیل وسیدنا اسحاق وسیدنا یعقوب وسیدنا یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت وامامت کے منصب پر فائز فرمایا اور بالآخر نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لئے نبوت وامامت کا منصب عطا فرمایا۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن میں آخری امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہیں امامت کا منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کی اطاعت واتباع وپیروی کو اللہ ہی نے فرض ولازم قرار دیا، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

امم سابقہ کی طرح علم کے امام تو اس امت میں بھی بے شمار ہوئے اور ہوں گے۔ لیکن واجب الاتباع اور واجب الاطاعت ''امام'' صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ دین کے امام ہیں، علم کے امام قابل احترام بلکہ واجب الاحترام ہیں، اُن کا احترام اور بلا امتیاز ان کے علم سے استفادہ کرنا چاہیے لیکن ان کی اطاعت وپیروی کو واجب یا فرض قرار دینا درست نہیں اب قیامت تک کے لئے واجب الاتباع امام صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم نے ان صفحات میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' جو کہ دین کے ''امام'' ہیں اُن کی اطاعت اور لوگوں کے خود اپنے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید جو لوگوں نے خود واجب کی ہے اُس میں ''فرق'' ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اس سے ہمارا مقصد ان ائمہ کی گستاخی یا بے ادبی یا ان کی توہین قطعاً نہیں، بلکہ ہم تو تمام ائمہ کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں، انہیں علم کا ''امام'' سمجھتے ہیں۔

ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ حق کو سمجھیں، قرآن وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو سمجھیں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار وزندگی کا مقصد بنا کر اپنی آخرت کو سنواریں اور رب کریم کی بے شمار رحمتوں کے مستحق بن کر اُس کی رضا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوں اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

﴿مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی وہ بڑی عظیم کامیابی پا گیا (الاحزاب:۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی و ہدایت کے لئے انبیاء و رسل اور صحف و کتب کا سلسلہ جاری فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف قوموں بلکہ ہر قوم کے درمیان اپنے رسل مبعوث فرمائے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبی آخر الزمان، امام الانبیاء، امام الاتقیاء، خاتم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو نمونہ کامل، مطاع اور امام بنایا وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں کہ جس کی اتباع، اطاعت، اقتدا، فرمانبرداری و پیروی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے فرض و لازم اور واجب کیا ہو، جی ہاں کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف دعوت دیتے رہے، جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا شرف حاصل کیا ان کا بھی یہی عقیدہ و ایمان رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رہتی دنیا تک کے انسانوں پر فرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ جس کی ہر بات حجت ہو، دلیل ہو اور قیامت تک کے لوگوں پر اس کی اطاعت و پیروی فرض یا واجب ہو، پھر جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام قبول کیا، پھر جنہوں نے ان تابعین کی دعوت پر اسلام قبول کیا، ان کا بھی یہی عقیدہ و ایمان رہا، وہ بھی نمونہ کامل، مطاع اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو سمجھتے تھے اور اس طریق حق پر قائم رہے، اور چار سو سال تک یہ سلسلہ مبارکہ یوں ہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جو دیگر امتوں میں آتا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

﴿ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف يقولون مالا يفعلون و يفعلون ما لا يؤمرون﴾ إلخ

ترجمہ: مجھ سے پہلے جو بھی نبی اللہ تعالیٰ نے کسی امت میں بھیجا اس امت میں ان کے مددگار اور ساتھی ہوتے جو ان کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے۔ پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے جو ایسی باتیں کرتے جن پر وہ عمل نہیں کرتے (مثلاً رسول اللہ علیہ الصلاۃ السلام کی محبت کا دعوی، سنت پر عمل کا دعوی، لیکن عمل کسی اور کے طریقہ کے مطابق) اور ایسے اعمال کرتے جن کا اُنہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (یعنی اپنی طرف سے نئے نئے

عقائد، نئے نئے اعمال وطریقے ایجاد کرتے، بدعات گھڑتے جس کی قطعاً اجازت نہیں) الخ (صحیح مسلم: ۸۰ / ۵۰ ودارالسلام: ۱۷۹)

صحابہ کرام، تابعین عظام وتبع تابعین تک یہ سلسلہ درست رہا، لوگوں کی اکثریت قرآن وسنت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کرتی رہی، اتباع اور اطاعت کے لئے انہوں نے کسی اور امام کو مقرر نہیں کیا۔

ذخیرۂ احادیث اور تاریخ میں اس بات کا بالکل کوئی ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی ایک امام ومطاع بنا رکھا تھا جس کی وہ تقلید کیا کرتے تھے، ہرگز نہیں۔ البتہ ان کے بعد دھیرے دھیرے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرمایا تھا، ایسے لوگ جو ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں آتے رہے۔ انہوں نے ایسے کام نہ کئے کہ جن کا انہیں حکم ملا تھا بلکہ ایسے کام کرنے لگے جن کا اُنہیں بالکل ہی حکم نہیں ملا تھا۔ ایسے لوگوں نے اپنی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنی درستگی احوال واصلاح کے لئے، گمراہی وضلالت سے بچنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ومطاع یعنی نبی ورسول اللہ کی ذات گرامی اور آپ کی تعلیمات کو عملاً کافی نہ سمجھا بلکہ اپنی اپنی طرف سے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام ومطاع ومقتدا چن لئے، اُن کی اطاعت وفرمانبرداری وپیروی کو اپنے آپ پر خود واجب کرلیا۔

دیوبندی مسلک کے ''حکیم الامت ومجدد الملت'' اشرف علی تھانوی صاحب نے قدرے تفصیل سے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ فیض اقتران میں طرزِ عمل لوگوں کا یہ تھا کہ آپ کے قول وفعل کا سنتے دیکھتے اتباع کرتے، جو ضرورت ہوتی دریافت کرلیتے، اصول اسباب وعلل واحکام کے نہ کسی نے دریافت کئے نہ پورے طور سے بیان کئے گئے۔'' (امداد الفتاوی جلد ۵ ص ۲۹۴)

''بعد وفات شریف آپ ؐ کے وقائع قدیمہ میں چونکہ ایک صحابی کو کوئی حدیث نہ پہنچی لیکن یاد نہ رہی یا یاد رہی مگر فہم معنی میں غلطی ہوئی'' (۵/ ۲۹۴، ۲۹۵) پھر آگے لکھتے ہیں۔

''اور عوام جس سے چاہتے بلا تقیید وتعین کسی امام یا مفتی کے فتوی پوچھ کر عمل کرتے اور جس فتوی میں تعارض ہوتا اس میں اعدل واوثق واحوط اقوال کو اختیار کرتے، مأۃ رابعہ تک یہی حال رہا۔ بعد مأۃ رابعہ کے قضائے الٰہی سے بہت سے امور پر آشوب پیدا ہوئے۔ تقاصر ہمم یعنی ہمتیں ہر علم میں پست ہونا شروع ہوئیں'' (۵/ ۲۹۶، ۲۹۷)

''......**تعمق فی الفقہ والحدیث** یعنی دونوں علموں میں افراط ہونے لگا۔ یعنی بعض فقہاء اپنے اصول ممہدہ سے حدیث صحیح کو رد کرنے لگے، اور بعض اہل حدیث ادنیٰ علت ارسال وانقطاع یا ادنیٰ ضعف راوی سے مجتہد کی دلیل کو باطل ٹھہرانے لگے جور قضاۃ یعنی قاضی اپنی رائے سے جس پر چاہتے تعدی کرتے۔ تعصب یعنی اپنی جماعت کو امور محتملہ میں یقیناً حق پر سمجھنا۔ دوسرے کو قطعاً باطل جاننا، جب یہ آفتیں پیدا ہوئیں جو لوگ اُس زمانے میں معتد بہ تھے

انہوں نے اتفاق کیا......'' (۲۹۷/۵)

''چونکہ ائمہ اربعہ سابقین سے مذہب مشہور نہ تھالہذا اُن کی تقلید پر اجتماع کیا گیا اور اور ترک التزام مذہب واحد میں ظن غالب تلاعب فی الدین وابتغاء رخص واتباع ہونے کا تھا۔ لہذا التزام مذہب معین کا لابدّ کیا اور بدون کس غرض محمود شرعی کے اس سے انتقال وارتحال کو منع کیا گیا۔ اس وقت سے لوگوں نے تقلید پر اطمینان کر کے کچھ تو قوت استخراج کی کم تھی، کچھ توجہ نہ کی، قیاس منقطع ہوگیا، بہت لوگ اہل حدیث میں سے اس مشورت پر مصلحت کے مخالف رہے مگر کسی پر لعن طعن نہیں کرتے تھے۔'' (۲۹۷/۵)

اس کے بعد آگے چل کر تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے ان پر ظن اصابت ورشد کا ہوا...... کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام مالک پر اور کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔''

(امداد الفتاوی کتاب البدعات ج نمبر۵ ص ۲۹۷، سوال نمبر ۲۶۸ کا جواب، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر۱۴)

نوٹ: تھانوی صاحب کی طویل ترین عبارت سے چیدہ چیدہ مقامات یہاں درج کیے ہیں، بس اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور اوامر واحکام اور ان کی سنتوں پر ہی ثابت قدمی کے بجائے اس امت کی اصلاح کے لئے وہ قدم اٹھایا گیا، جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے پچھلی امتوں کی طرح اپنے اپنے امام مقرر کر لئے اور محض اپنی مرضی سے ان کی تقلید سے نکلنے کو ناجائز وحرام تک کہا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق اس فتنہ واختلاف کا حل چاہتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ...... ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو جب تمہارا کسی معاملے میں بھی اختلاف ہو جائے اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ (النسآء:۵۹)

لیکن افسوس کہ لوگوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ظن کے مطابق اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر لئے۔ اشرف علی تھانوی صاحب نے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کیا ہے کہ کسی نے امام ابوحنیفہ کو مقرر کر لیا، کسی نے امام شافعی کو اور کسی نے احمد بن حنبل اور امام مالک کو مقرر کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ رحمہم اللہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے واجب الاطاعت امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام نہیں ہیں۔ حتی کہ خود ان ائمہ نے بھی اپنی اطاعت یا تقلید لوگوں پر واجب نہیں کی بلکہ ان میں سے کسی امام کی وفات کے سینکڑوں سال بعد اور کسی کی وفات کے پچاس سال بعد لوگوں نے خود اپنی طرف سے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر ان کی تقلید اور پیروی کو واجب قرار دے دیا۔

اگر آپ کو ہماری معروضات پر یقین نہ آئے تو اپنے کسی مولوی صاحب سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ کیا اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدس ہستیوں کو منصب امامت پر فائز کر کے ہمارے لیے امام مقرر کیا ہے؟ کیا قرآن مجید یا

احادیث مبارکہ میں اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟ آپ کو کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ ان چار اماموں کی تقلید واجب ہے۔

فرض کیجئے اگر کوئی مولوی صاحب آپ کو ایسی کوئی دلیل دکھا دے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ غور کریں اگر ان چاروں کی تقلید فرض یا واجب ہے تو آپ صرف ایک امام کی تقلید کو کیوں واجب قرار دیتے ہیں؟ اگر صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے تو پوری اُمت اُس ایک امام کی تقلید کیوں نہیں کرتی۔ چار علیحدہ علیحدہ اماموں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے الگ الگ امام کیوں چن رکھے ہیں؟

سردست ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ آخری امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید میں کیا فرق ہے؟

پہلا فرق: اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝﴾

اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو، اگر تم (اُن کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (المآئدہ:۹۲)

(۲) ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اگر تم واقعی مومن ہو۔ (الانفال:۱)

اس آیت پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ورنہ تمہارا یہ دعویٰ ایمان کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۳) ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ (آل عمران:۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کرنا، اعراض کرنا، منہ پھیرنا کافروں کا طرزِ عمل ہے نہ کہ ایمان والوں کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۴) ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران:۱۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصول ہوگا۔

(۵) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور اُن کی بات سن لینے کے بعد اُن کی اطاعت سے

روگردانی مت کرو۔ (الانفال: ۲۰)

کتنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اُن کی بات سننے کے بعد منہ نہ پھیرو، نافرمانی نہ کرو، اعراض نہ کرو۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے عجیب عجیب اصول بنالیے۔ ملاحظہ کیجئے دیوبندیوں کے ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''اور اگر اُسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اُسے اپنے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۹۲ سطر نمبر ۷، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)

اسی طرح بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

''یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگر چہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ (جاء الحق، حصہ اول، ص ۳۴۳، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ۴۰، اُردو بازار، لاہور والنسخۃ القدیمہ ۱/ ۲۶)

غور کیجئے اللہ تو فرما رہا ہے، جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لو تو پھر منہ نہ پھیرنا، نافرمانی نہ کرنا مگر ہمارے یہ ''علماء'' کیا فرماتے ہیں کہ امام کے مسلک کو نہ چھوڑنا۔ مطلب صاف اور واضح ہے کہ قرآن وحدیث چھوٹ جائے تو چھوٹیں پر امام کا مسلک نہ چھوڑنا۔ اکثر عوام سوال کرتے ہیں کیا یہ بڑے بڑے علماء قرآن وحدیث نہیں سمجھتے اور پڑھتے نہیں؟ ۔عرض ہے کہ ایسے لوگ غور کرلیں، جب ان بڑے بڑے علماء نے یہ اصول بنا رکھے ہیں تو وہ خود کس طرح مانیں گے۔ اگر چہ لاکھ حدیثیں پڑھتے رہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شاہ ولی اللہ الدھلوی صاحب فرماتے ہیں:

''فإن بلغه حديث واستيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وما كان أحد من القرون السابقة يفعل ذلك۔''

اگر کسی مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اُس نے اُس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین بھی کرلیا اور پھر بھی اُس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اُس کی ذمہ داری تقلید کے ساتھ مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور گھٹیا بات ہے، اس میں نقل وعقل کا کوئی شاہد نہیں اور گزشتہ صدیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔ (عقد الجید ص ۸۵ دوسرا نسخہ ص ۴۷، ۴۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''فإن شئت أن ترى أ نموذج اليهود فانظر إلى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقداعتادوا تقليد السلف، وأعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة، وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده، واستحسانه، فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم، وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة ۔۔۔۔''

اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو اُن علماءِ سوء کی طرف دیکھو جو دنیا کے طلبگار ہیں اور گزرے ہوئے لوگوں کی تقلید کے عادی ہیں اور کتاب وسنت کی نصوص سے روگردانی کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش، اس کے تشدد اور اس کے

استحسان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور شارع معصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی موضوع احادیث اور فضول تاویلات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ اُن کی ہلاکت کا سبب ہے۔ (الفوز الکبیر ص ۹ دوسرا نسخہ ص ۱۸)

ویسے تو تقی عثمانی صاحب، معاذ اللہ صحابہ کرام و تابعین عظام کی مقدس جماعت تک کو مقلد ثابت کرنے چلے تھے پر افسوس کہ اُن کے اپنے ہی بزرگ یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ وہ جس ''تقلید'' کی دعوت دے رہے ہیں قرونِ سابقہ (پہلی صدیوں) میں کوئی ایک شخص بھی ایسی ''تقلید'' کا قائل نہ تھا۔ بلکہ محمد تقی عثمانی صاحب جس ''تقلید'' کی دعوت دیتے ہیں شاہ ولی اللہ ایسے لوگوں کو یہودیوں کا ماڈل قرار دیتے ہیں۔

تقی صاحب یا کوئی اور صاحب اسے ہمارا تشدد قرار نہ دیں بلکہ یہ سب کچھ اُن کے مسلّمہ بزرگ کا فرمایا ہوا ہے لہذا چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

مذکورہ پانچ آیات پر غور کیجئے، اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا، جبکہ پورے قرآن مجید میں لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام کی اطاعت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ آپ سابقہ صفحات پر اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ قول تو پڑھ چکے ہیں کہ:

''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے اُن پر ظن اصابت و رشد کا ہوا کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام مالک پر کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔'' (امداد الفتاویٰ۔ ج ۵ ص ۲۹۹)

اسی طرح دیوبندی مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ اعتراف کیا کہ:

''اسی بنا پر بعد کے فقہاء نے یہ فرمایا کہ اب تقلید شخصی کی پابندی ضروری ہے، اور کسی ایک مجتہد کو مُعیّن کر کے ہر مسئلے میں اس کی پیروی کی جائے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۸)

اسی طرح لکھتے ہیں:

''علماء امت نے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار کر لیا۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷)

ان کے علاوہ بھی تقی عثمانی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۶۰، ۶۱، ۶۵ پر بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان ائمہ کی تقلید کو علماء یا فقہاء نے واجب کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کو مقرر بھی اپنی مرضی سے کیا گیا اور ان کی تقلید و پیروی کو بھی خود لازم کیا گیا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیروی کا حکم دیا۔

یہ عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو لوگوں نے خود فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا۔

دوسرا فرق: اللہ تعالیٰ کی محبت اور مغفرت کی ضمانت

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۳۱)

کس قدر فضیلت ہے، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ اس دعویٰ کے صدق کے لیے جس دلیل کی ضرورت ہے وہ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔ (البقرہ:۱۶۵) اور اللہ کی محبت مشروط ہے، مقیّد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کے ساتھ، آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی محبت کا لازمی تقاضا ہے، لازمی شرط ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور جب ہم اتباع کریں گے تو خالق کائنات مالک ارض وسموات بذات خود ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس کی کیا شان ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

''إذا أحب الله تعالىٰ العبد نادى جبرئيل ، إن اللّٰه تعالىٰ يحب فلاناً ،فاحببه ،فيحبه جبريل فينادى فى أهل السماء ،إن اللّٰه يحب فلاناً فاحبوه ،يحبه أهل السماء ،ثم يوضع له القبول فى الأرض''۔

''جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے (اور بتاتا ہے) کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ [صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: اِنِّی اُحِبُّ فلاناً میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں] پس تو بھی اس بندے سے محبت کر۔ پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل (علیہ السلام) آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی (اعلان) کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے (فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری:۳۲۰۹ وصحیح مسلم:۲۶۳۷، دارالسلام:۶۷۰۵)

یہ عظیم مرتبہ ومقام کیسے حاصل ہوتا ہے؟ فَاتَّبِعُوْنِيْ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے۔

یہ فضیلت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہیں۔

قرآن وسنت میں تلاش کیجئے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث بھی آپ کو لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی اتباع، اطاعت، پیروی اور فرمانبرداری کی فضیلت میں ایسی نہیں ملے گی کہ ان اماموں کی تقلید کرنے سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

اور پیروی ہی کی فضیلت ہے، اُسی اتباع کی شان وعظمت ہے۔افسوس کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کی یہ فضیلت دیکھی اور خود اپنے مقرر کردہ امام کی اتباع وپیروی کو اس سے تہی دامن وخالی پایا تو بعینہ یہی فضیلت وشان خود ساختہ امام کے لیے بھی گھڑ دی، علاء الدین الحصکفی نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا:

''امام ابوحنیفہ رات کے وقت کعبہ میں داخل ہوئے ، دوستونوں کے درمیان نماز کے لیے کھڑے ہوئے ،اس طرح کہ پہلے اپنی دائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور بائیں ٹانگ کو دائیں کے اوپر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آدھا قرآن مجید ختم کرلیا، پھر رکوع وسجود کے بعد اپنی بائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور دائیں ٹانگ کو بائیں پر رکھا، یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ختم کیا، پھر جب سلام پھیرا [1] اپنے رب سے مناجات کی اور کہا: الٰہی اس بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہ کیا،لیکن تیری معرفت کا حق ادا کر دیا۔اس کی خدمت کے نقصان کو اُس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے بخش دے۔کعبہ کی ایک طرف سے ندا دینے والے نے ندا دی (غیب سے آواز آئی) کہ'' **یاأبا حنیفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فأحسنت الخدمة قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان علىٰ مذهبك إلى يوم القيٰمة** ''

اے ابوحنیفہ! تو نے ہماری معرفت کا حق ادا کر دیا اور تو نے خوب ہماری خدمت کی پس ہم نے تیری مغفرت کردی اور ہر اُس شخص کی بھی مغفرت کردی جو تیری اتباع کرے اور تیرے مذہب پر ہو قیامت تک کے لیے (یہی حکم ہے)''

(درمختار عربی ج۱ ص۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی قصور نہیں نہ ہی آپ نے کبھی ایسا دعویٰ کیا لیکن لوگ ہیں کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ دیتے ہیں۔غور کیجئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی فضیلت بیان کی ،لوگوں نے اپنی کتابوں میں اپنے خود ساختہ امام کے لیے یہی فضیلت گھڑ دی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کے لیے قرآن مجید میں بذریعہ وحی یہ فضیلت بیان کی ہے تو ہمارے امام کو بھی اللہ نے یہ کہا ہے کہ جو تیری اتباع کرے گا ہم اُس کی مغفرت کریں گے۔گویا وحی کا سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا،اب تک جاری ہے،ورنہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ سے کس طرح بات کی اور یہ فضیلت بیان کی (معاذ اللہ)۔الغرض یہ ایک اور جوہری فرق ہے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع وپیروی وفرمانبرداری اور لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے اور اُن کی مغفرت بھی فرمائے گا لیکن لوگوں کے مقرر کردہ امام کی ایسی کوئی فضیلت نہیں۔

تیسرا فرق:-اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ﴾

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی (النسآء:۸۰) یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں یا احادیث مبارکہ میں لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی اطاعت کا بس صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز بندگی وطرز زندگی کو اپنایا جائے، اسی طرح اللہ کی اطاعت ممکن ہے ۔اس کے علاوہ کوئی راستہ، کوئی طریقہ نہیں۔ یہ ایک زبردست فرق ہے، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام کی تقلید وپیروی میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کا یہ مقام نہیں کہ اسے عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا جاسکے۔ قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں۔ (جاری ہے)

شذرات الذہب

فضل اکبر کاشمیری

مشہور محدث، امام الائمہ شیخ الاسلام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''**من لم یقر بأن اللہ تعالیٰ علی عرشه قد استوی فوق سبع سمواته ، فهو کافر بربه ، یستتاب وإلا ضربت عنقه ، وألقي علی بعض المزابل حیث لا یتأذی المسلمون والمعاهدون بنتن جیفته وکان ماله فیئاً ، لا یرثه أحد من المسلمین إذا لمسلم لایرث الکافر کما قال ﷺ**'' سات آسمانوں سے اوپر، جو شخص اس کا اقرار نہ کرے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے تو وہ شخص اپنے رب کا منکر ہے، اسے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو (حکومت کے ذریعے) اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اور (پھر) اسے بعض گندگی کے ڈھیروں پر (دُور) پھینک دیا جائے جہاں سے اس کے مردار جسم کی وجہ سے مسلمانوں اور اہلِ ذمہ کفار کو تکلیف نہ ہو۔ اس شخص کا مال (بحق سرکار ضبط ہوکر) فئے بنالیا جائے۔ کوئی مسلمان اس کا وارث نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۸۴ ح ۱۸۷ وسندہ صحیح، محمد بن صالح ھانئ کان من الثقات الزھاد کما فی المنتظم لابن الجوزی ۱۴/۸۶ وفیات ۳۴۰)

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

عذابِ قبر اور برزخی زندگی

سوالات :

۱۔ عذاب قبر سے کیا مراد ہے؟ اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے یا بدن سے بھی ملوث ہوتا ہے؟

۲۔ اگر قبر میں جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے تو پھر اُخروی عذاب کے کیا معنی ہیں؟

۳۔ ازروئے قرآن زندگیاں دو ہیں، دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی۔ پھر برزخی زندگی کیا ہے؟ موت کو زندگی کا نام دینا میرے فہم سے بالاتر ہے۔

۴۔ مُردہ تو سننے سے قاصر ہوتا ہے۔ پھر **انه يسمع قرع نعالهم** کا کیا مطلب ہے۔ آخر قرآن ہی تو کہتا ہے ﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾ ؟

۵۔ روح اور جسم کے باہمی ملاپ کا نام زندگی ہے۔ پھر **فيعاد روحه في جسده** سے کیا مراد ہے؟ کئی لوگوں کی نعشیں (جیسے لندن میں فرعون کی اور چین میں ماوزے تنگ کی) باہر سامنے پڑی ہیں لیکن ان میں اعادہ روح کے کوئی آثار نظر نہیں آتے مزید یہ کہ جب مردے زندہ ہوں گے تو وہ قبروں سے باہر نکل پڑیں گے؟

٦۔ حدیث میں ہے: مستحق عذاب (کافر یا مشرک) کو فرشتے مارتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی چیخ و پکار سوائے جن وانس کے تمام مخلوق سنتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا خچر تو بدک گیا لیکن ہمارے ریوڑ کے ریوڑ قبرستانوں میں چرتے ہیں اور کبھی ان کے ڈرنے کا واقعہ نہیں سنا گیا؟ آپ کے خچر کا بدکنا تو خرق عادت تھا اور اس کو معجزہ کہیں گے۔

۷۔ عالم خواب میں فوت شدگان کی روحیں اپنے لواحقین سے آ کر ملتی ہیں یا یہ محض تخیل ہوتا ہے؟

(حافظ محمد عمران فاروقی ضلع وتحصیل میانوالی محلّہ یاروخیل مسجد اہل حدیث)

الجواب: محترمی جناب! حافظ رضوان احمد فاروقی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا جو آپ نے استاد محترم جناب حافظ زبیر علی زئی صاحب کو ارسال کیا تھا۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات پیشِ خدمت ہیں۔

جوابات:

۱۔ عذابِ قبر سے مراد وہ عذاب ہے جو میت کو قبر میں دیا جاتا ہے۔ اور قرآن وحدیث کی واضح نصوص سے ثابت ہے کہ قبر زمین میں ہوتی ہے اور قیامت کے دن انسانوں کو اسی ارضی قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ارضی قبر کے علاوہ کسی دوسری فرضی قبر کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور اس عذاب کا تعلق جسد یعنی میت سے ہوتا ہے۔ اور روح جنت یا جہنم میں ہوتی ہے۔ (دیکھئے سورۃ نوح آیت: ۲۵ التحریم: ۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر اور عذاب جہنم دونوں سے

پناہ مانگا کرتے تھے۔حدیث میں ہے:

''المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیہا''

میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس پر نوحہ کے سبب سے (بخاری:۱۲۹۲ و مسلم:۹۲۷)

یہ حدیث قبر میں میت (بدن) کے عذاب پر بالکل واضح ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ عذاب کا تعلق جسم سے بھی ہے اور روح کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔موت روح اور جسم کی جدائی کا نام ہے اور قیامت ہی کے دن روح اور جسم آپس میں دوبارہ ملیں گے۔

۲۔ قبر میں جسم کو عذاب ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی عذاب ہوگا۔آپ کا یہ اعتراض کہ پھر اخروی عذاب کا کیا مطلب ہے؟ تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ قبض روح کے وقت کافروں کو عذاب دیا جاتا ہے۔دیکھئے سورۃ الانعام ۹۳،الانفال آیت ۵۰۔آپ سے بھی یہی سوال ہے کہ جب قبضِ روح کے وقت کافروں کو عذاب دیا جاتا ہے تو پھر اُخروی عذاب کے کیا معنیٰ؟ اَب جو جواب آپ کا ہوگا، وہی ہمارا بھی ہے۔

۳۔ دو زندگیوں کا مطلب یہ ہے کہ آج دنیا میں جیسی زندگی ہمیں حاصل ہے اسی طرح کی محسوس اور ظاہری زندگی قیامت کے دن بھی حاصل ہوگی۔اور مرنے کے بعد حالتِ موت میں بھی عذاب اور راحت کو میت اور روح محسوس کرتی ہیں۔قرآن نے ضِعْفَ الْمَمَاتِ کے الفاظ کے ساتھ حالت موت میں عذاب کا ذکر کیا ہے۔دیکھئے بنی اسرائیل آیت ۷۵۔علمائے اسلام نے موت کے بعد ثواب اور عذاب کی کیفیت کو سمجھانے کے لیے اسے برزخی زندگی کا نام دیا ہے بہرحال نام کی بحث کو چھوڑیں اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

۴۔ آپ کہتے ہیں کہ مردہ سننے سے قاصر ہوتا ہے،قرآن کی کونسی آیت ہے یا کسی حدیث میں ایسا کوئی مضمون آیا ہے کہ مردہ سننے سے قاصر ہے؟ البتہ قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾

اللہ تعالیٰ جسے بھی چاہے سنا دے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے (فاطر:۲۲)

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا سکتا ہے۔البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی دوسرا مردوں کو نہیں سنا سکتا۔یعنی نبی کے اختیار میں مردوں کو سنانا نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہتا ہے تو قلیب بدر والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا دیا۔(بخاری:۱۳۷۱،۱۳۷۲ مسلم:۹۳۲) میت واپس جانے والوں کی جوتیوں کی چاپ سنتی ہے۔(بخاری:۱۳۳۸) میت سے قبر میں سوالات کئے جاتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ، تیرا رب کون ہے؟ مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ تُو اس شخص کے بارے میں کیا جانتا ہے؟ یہ تمام باتیں میت کو اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔آپ نے جو آیت نقل کی ہے وہ بے موقع ہے۔آپ اس سلسلہ میں تحقیق کریں۔

۵۔ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ کا مطلب ہے کہ سوال وجواب کے وقت روح کو میت میں لوٹایا جاتا ہے۔اور یہ

آخرت کا معاملہ ہے اور آخرت کے معاملات کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ پھر یہ غیب کا معاملہ ہے۔ **الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ** ایمان والے اِن اَن دیکھی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایسی حقیقتیں کہ جو پردہ غیب میں ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ نظر کیوں نہیں آتیں تو یہ طرز عمل کفار و مشرکین کا تھا۔ اور اگر آپ اِن حقیقتوں کو دیکھنے کے ہی متمنی ہیں تو پھر کچھ انتظار کر لیں موت کے وقت یہ تمام حقائق آپ کو معلوم ہو جائیں گے۔

۶۔ جب میت کو عذاب دیا جاتا ہے تو جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام مخلوق اِن کے چیخنے چلانے کی آواز سُنتی ہے۔ ایک حدیث میں '' **یعذبون حتی تسمع البھا ئم کلھا** '' (بخاری:۶۳۶۶ و مسلم:۵۸۶) ''تمام چوپائے میت کی آواز کو سنتے ہیں۔'' ایک حدیث میں '' **یسمع من یلیه** '' قریب کی ہر چیز میت کی آواز کو سنتی ہے۔ (بخاری:۱۳۳۸) میت کے چیخنے چلانے کی آواز ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے اور اگر انسان اسے سُن لیتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

(بخاری:۱۳۷۴)

اِن احادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ میت کے چیخنے چلانے کی آواز ہر چیز اور تمام جانور سنتے ہیں لیکن انسان اور جنات اسے نہیں سن سکتے۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کے بدکنے کا معاملہ ہے تو یقیناً وہ بھی اس اچانک آواز سے بدک گیا تھا۔ دنیا میں جانور بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ شہری جانور جو سڑک پر سائرن کی زبردست آواز سے بھی متحرک نہیں ہوتے۔ دوسرے تھر پار کر کے علاقے کے جانور جو دُور سے کسی کار کی آواز سن کر ہی ایسے بدحواس ہو کر اور گھبرا کر بھاگتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ لہٰذا قبر کی آواز سے بھی ڈھیٹ قسم کے جانور تو نہیں بدکتے بلکہ یہ آوازیں اِس کی روزمرہ کا معمول اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ جبکہ حساس قسم کے جانور اس سے بدکتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر کو سننا آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور آپ کے خچر کا عذاب کی آواز سے بدکنا تو اِسے معجزہ کا نام دینا غلط بلکہ جہالت ہے کیونکہ تمام ہی جانور عذابِ قبر کی آواز کو سنتے ہیں۔ لہٰذا عثمانی فلسفہ کے بجائے قرآن و حدیث پر سچے دل سے ایمان لے آئیں۔

۷۔ خواب میں بعض دفعہ مرنے والے سے ملاقات ہو جاتی ہے جس سے اس کی حالت کا پتہ چل جاتا ہے۔ جس طرح طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ ہجرت کرنے والے ساتھی کو خودکشی کے بعد خواب میں دیکھا جس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے بخش دیا ہے لیکن فرمایا کہ جس چیز کو یعنی ہاتھ کی انگلیوں کو تو نے خود خراب کیا ہے میں انہیں ٹھیک نہیں کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دعا فرمائی کہ اللہ اس کی انگلیوں کو بھی معاف فرما دے۔ (مسلم:۱۱۶)

نبی کریم ﷺ نے سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تھا، ان کے دو پر تھے جن پر خون لگا ہوا تھا دیکھئے المستدرک للحاکم (۲۱۲/۳ ح ۴۹۴۳ وسندہ حسن) ابوالصہباء صلہ بن اشیم العدوی (ثقہ تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے (سیدنا) ابورفاعہ العدوی (رضی اللہ عنہ) کو ان کی شہادت کے بعد (خواب میں) دیکھا، وہ ایک تیز اونٹنی پر جا رہے تھے۔ إلخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۴/۱۱، ۸۵ ح ۳۰۵۲۳ وسندہ صحیح) [۲۳ رجب ۱۴۲۶ھ]

ابو العباس حافظ شیر محمد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت (۲)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إن علیاً مني و أنا منه وهو ولی کل مؤمن '' بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں اور وہ ہر مؤمن کے ولی ہیں۔ (الترمذی: ۳۷۱۲ و إسنادہ حسن)
یعنی رسول اللہ ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ ہر مؤمن علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے۔

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلي مولاہ'' جس کا میں مولیٰ ہوں تو علی اس کے مولی ہیں۔ (الترمذی: ۳۷۱۳ وسندہ صحیح)

لغت میں مخلص دوست کو بھی مولی کہتے ہیں۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص: ۱۹۰۰)

نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''أنت أخونا و مولانا'' تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولی ہے۔ (البخاری: ۲۶۹۹)

آپ ﷺ نے سیدنا جلبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''ھذا مني و أنا منه'' یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۴۷۲/۱۳۱ و دار السلام: ۶۳۵۸)

بعض روافض کا حدیثِ ولایت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا دعوی کرنا ان دلائل سابقہ و دیگر دلائل کی رُو سے باطل ہے۔

ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی: ''اللھم عافه أو اشفه '' اے اللہ اسے عافیت یا شفا عطا فرما۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اس کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوا۔ (سنن الترمذی: ۳۵۶۴ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' و إسنادہ حسن)

مشہور تابعی ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ (امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ) کو منبر پر کھڑے دیکھا۔ آپ کا سر اور داڑھی سفید تھی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۸۸/۳، ۱۸۹ ح ۵۲۶۷ وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ بالوں کو مہندی یا سرخ رنگ لگانا واجب (فرض) نہیں ہے۔

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ارقبوا محمداً ﷺ فی أھل بیته'' (سیدنا) محمد ﷺ کی رضا مندی آپ کے اہلِ بیت (کی محبت) میں تلاش کرو (صحیح البخاری: ۳۷۱۳)

یعنی جو شخص سیدنا علی، سیدنا حسین، سیدنا حسن اور تمام صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے تو قیامت کے دن وہ نبی کریم ﷺ کا ساتھی ہوگا۔

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''أول من أسلم علي'' سب سے پہلے علی (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہوئے تھے۔ ابراہیم نخعی (تابعی صغیر) نے صحابی رسول کے اس قول کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ: سب سے پہلے ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہوئے تھے۔ (الترمذی: ۳۷۳۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

یعنی بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور مردوں میں سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''أول من أسلم علي رضی الله عنه''
سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔ (معجم الصحابہ للبغوی ج ۴ ص ۳۵۷ ح ۱۸۱۰ وسندہ صحیح)

عروہ (بن الزبیر، تابعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ: علی (رضی اللہ عنہ) آٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔
(معجم الصحابہ للبغوی ج ۴ ص ۳۵۷ ح ۱۸۱۰ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''کنا نتحدث أن أفضل (أقضی) أهل المدينة علي بن أبي طالب'' ہم باتیں کرتے تھے کہ اہلِ مدینہ میں سب سے افضل (اقضی) علی بن ابی طالب ہیں (فضائل الصحابہ للإمام أحمد ۲/ ۶۰۴ ح ۱۰۳۳ وسندہ صحیح)

غزوۂ خیبر کے موقع پر مرحب یہودی کی للکار کا جواب دیتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''أنا الذي سمتني أمي حيدرة'' میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، میں وہ (حیدر رشیر) ہوں۔
(صحیح مسلم: ۱۸۰۷ دارالسلام: ۴۶۷۸)

پھر آپ نے مرحب یہودی کو قتل کر دیا اور فتح خیبر آپ کے ہاتھ پر ہوئی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ ﷺ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) حراء (پہاڑ) پر تھے کہ وہ (زلزلے کی وجہ سے) ہلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رک جا، اس وقت تیرے اوپر نبی، صدیق اور شہید (ہی) کھڑے ہیں۔
(صحیح مسلم: ۲۴۱۷ ودارالسلام: ۶۲۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من آذی علياً فقد آذاني'' جس نے علی (رضی اللہ عنہ) کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ (فضائل الصحابہ / زیادات القطیعی: ۱۰۷۸) وسندہ حسن ولہ شاہد عند ابن حبان، الموارد: ۲۲۰۲ والحاکم ۳/ ۱۲۳ وصححہ ووافقہ الذہبی)

ایک دفعہ (بعض) لوگوں نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: ''أيها الناس لا تشكوا علياً فو الله إنه لأخشن في ذات الله أو في سبيل الله'' لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، اللہ کی

قسم بے شک وہ اللہ کی ذات یا اللہ کے راستے میں بہت زیادہ خشیت (خوف) رکھتے ہیں (مسند احمد ۸۶/۳ والحاکم ۳۴/۳ وصححہ ووافقہ الذھبی وسندہ حسن)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) ان لوگوں میں ہوں گے جن کا ذکر اللہ نے (قرآن مجید میں) کیا ہے۔ ﴿وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ﴾ (الحجر: ۴۷) اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے اور وہ چارپائیوں پر، بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (فضائل الصحابہ/زیادات القطیعی: ۱۰۵۷ وسندہ صحیح)

ابو اسحاق السبیعی فرماتے ہیں کہ: ''رأیت علیاً ...... ضخم اللحیة'' میں نے علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، آپ کی بڑی اور گھنی داڑھی تھی۔ (طبقات ابن سعد ۲۵/۳ وسندہ صحیح، یونس بن أبي إسحاق بريئ من التدلیس)

امام اہلِ سنت: احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: ''ماجاء لأحد من أصحاب رسول الله ﷺ من الفضائل ماجاء لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه'' جتنے فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے (احادیث میں) آئے ہیں اتنے فضائل کسی دوسرے صحابی کے نہیں آئے۔ (مستدرک الحاکم ۱۰۷/۳، ۱۰۸ ح ۴۵۷۲ وسندہ حسن)

مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بدری، من السابقین الاولین، امیر المؤمنین خلیفہ راشد اور خلیفہ چہارم تھے۔ آپ کے فضائل بے شمار ہیں جن کے احاطے کا یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہے۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

جان لو، اللہ ہم اور تم پر رحم کرے، بے شک اللہ کریم نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ فضیلت عطا فرمائی۔ خیر میں آپ کی پیش قدمیاں عظیم ہیں اور آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔ آپ عظیم فضیلت والے ہیں۔ آپ جلیل القدر، عالی مرتبہ اور بڑی شان والے ہیں۔

آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی اور چچا زاد، حسن و حسین کے ابا، مسلمانوں کے مردِ میدان، رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے والے، ہم پلہ لوگوں سے لڑنے والے، امام عادل زاہد، دنیا سے بے نیاز (اور) آخرت کے طلب گار، متبع حق، باطل سے دور اور ہر بہترین اخلاق والے ہیں۔ اللہ و رسول آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ اللہ و رسول سے محبت کرتے ہیں۔ آپ ایسے انسان ہیں کہ آپ سے متقی مومن ہی محبت کرتا ہے اور آپ سے صرف منافق بدنصیب ہی بغض رکھتا ہے۔ عقل، علم، بردباری اور ادب کا خزانہ ہیں، رضی اللہ عنہ'' (الشریعۃ ص ۱۴۷، ۱۵۷)

اے اللہ! ہمارے دلوں کو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھر دے۔ آمین